Globethics Repository

Falsafat Mi'raj al-Nabi SAW (Vol.1)

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-07-16 12:10:30
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/186978

فلسفہ معراج النبی ﷺ

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، فون: 7237695

http://www.minhaj.org, e-mail: tehreek@minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	فلسفہ معراج النبی ﷺ
مصنف	:	ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ریاض حسین چوہدری، عبدالستار منہاجین
نظرِ ثانی	:	محمد معراج الاسلام
پروف ریڈنگ و تخریج	:	عبدالجبار قمر
کمپوزنگ	:	محمد یامین، مقصود احمد
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملت ؒ ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ
نگرانِ طباعت	:	محمد جاوید کھٹانہ
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز
اِشاعت اَوّل تا ہشتم	:	10,600
قیمت	:	160/- روپے

❁❁❁

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے ریکارڈ شدہ آڈیو / وڈیو کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلیکیشنز)

www.MinhajBooks.com
research@minhajbooks.com
ISBN 969-32-0067-5

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ

فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

﴿صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ﴾

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

فہرست

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	پیش لفظ	
	باب اول:	
	حقیقتِ معجزہ	
	فصل اول:	
	تفہیم معجزہ	۱
	معجزہ کا لغوی مفہوم	
	معجزہ کا اصطلاحی مفہوم	
	اصطلاح معجزہ کی حقیقت	
	لفظ آیت کا مفہوم	۲
	۱۔ آیت بمعنی قران کا جملہ	
	۲۔ آیت بمعنی واضح نشانی	
	۳۔ آیت بمعنی خارق عادت	
	قرآنی اسلوب کی مزید مثالیں	
	۱۔ مبصرۃ	
	۲۔ بینہ	

صفحہ	عنوانات	نمبرشمار
	۳۔ برھان	
	خارق عادت افعال کی اقسام	۳
	۱۔ معجزہ	
	۲۔ ارھاص	
	۳۔ کرامت	
	۴۔ استدراج	
	حقیقت معجزہ	
	فصل دوم:	
	ضرورتِ معجزہ	۴
	قبول حق اور انسانی فطرت	
	قبول حق کے دو گروہ	
	معجزہ پیغمبرانہ جلال کا آئینہ دار ہوتا ہے	
	عطائے رب جلیل	
	ضرورت معجزہ	
	دعوائے نبوت اور معجزہ کا باہمی تعلق	
	فصل سوم:	
	معجزہ اور عالم اسباب	۵

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	معجزہ......قوانین فطرت کے خرق کا نام	
	معجزہ......قدرت الہیہ	
	معجزہ کا صدور اذن الٰہی سے ہوتا ہے	
	فصل چہارم:	
	معجزہ......لازمہ نبوت	۶
	باب دوم:	
	اِثباتِ معجزہ اور جدید سائنسی تحقیقات	۷
	فصل اول:	
	اِثبات معجزہ اور عقل ناقص کا کردار	۸
	ہر دور کے بنیادی تقاضے مختلف ہوتے ہیں	
	معجزہ ایک ازلی صداقت کا نام ہے	
	انسانی عقل کا عجز	
	جدید سائنس کے اعترافات	
	عادت اِلٰہیہ اور قدرت خداوندی کی تفہیم	
	تمدنی اور ثقافتی پس منظر میں معجزات کا ظہور	
	معجزت مصطفوی ﷺ کی عالمگیریت	
	فصل دوم:	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۹	**جدید سائنس اور معجزۂ معراج**	
	عالم بشریت کی زد میں	
	فقہائے بالا کی مختلف کیفیات	
	خلائی سفر کی لابدی ضروریات	
	تسخیر ماہتاب......انسان کا بعید ترین خلائی سفر	
	روشنی کی رفتار کے حصول میں حائل رکاوٹیں	
	مثال	
	معجزۂ معراج میں براق کا سفر	
۱۰	معجزہ معراج: طئی زمانی اور طئی مکانی کی جامعیت کا مظہر	
	طئی مکانی	
	طئی زمانی	
	قرآن حکیم میں طئی مکانی کا ذکر	
	قران حکیم میں طئی زمانی کا ذکر	
	اصحاب کہف اور طئی زمانی	
	حضرت عزیر علیہ السلام اور طئی زمانی	
	معراج مصطفیٰ ﷺ اور طئی زمانی و مکانی	
	باب سوم:	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۱	**معجزۂ معراج النبی ﷺ**	
	سفرِ معراج......نقوشِ کفِ پائے مصطفیٰ ﷺ کی چاندنی	
	سفرِ معراج عالمِ بیداری میں ہوا	
۱۲	سفرِ معراج اپنے تین مراحل میں	
	۱۔ پہلا مرحلہ	
	۲۔ دوسرا مرحلہ	
	۳۔ تیسرا مرحلہ	
	دو کمانوں کا استعارہ	
	ایک لطیف نکتے کی وضاحت	
	تمثیل کا ثقافتی پس منظر	
۱۳	مراحلِ سفرِ معراج	
۱۴	مرحلہ اولیٰ ...... بیت اللہ سے بیت المقدس تک	
	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبرِ انور میں نماز ادا کرنا	
	انبیاء صف بہ صف آپ ﷺ کے استقبال کے لئے کھڑے تھے	
۱۵	مرحلہ ثانیہ......بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک	
	دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کے لئے ملائکہ کے ہجوم در ہجوم	
	سدرہ سے آگے یکتا و تنہا	

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	مرحلہ ثالثہ......سدرۃ المنتہیٰ سے وصال الٰہی تک	۱۶
	سفر وصال	
	سفر معراج سے کرۂ ارضی کی طرف واپسی	
	خود ساختہ عقائد کی من مانی تاویلات	
	بار بار لوٹ کر جانا نبوت کا کمال تھا	
	اپنائیت اور محبت کے پیمانے	
	صدیوں کا سفر چشم زدن میں	
	صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس	
	علم حضور ﷺ کی آزمائش کی جسارت	
	قافلے والوں کے اونٹ کی گمشدگی	
	ابھی جملہ بھی مکمل نہ ہونے پایا تھا	
	خورشید فلک! یہیں رک جا	
	ایک یہودی عالم کی تصدیق	
	باب چہارم: مراحل معراج کی تحقیق	۱۷
	پیکرِ مصطفوی جامع صفات و کمالات	
	آیاتِ ربانی کا مشاہدہ اور دیدارِ حق	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	تمنائے جبرئیلِ امین	
	دعوتِ محبوب کے انداز	
	محبّ کا اندازِ محبت	
	محبت کی باتیں	
	صلوٰۃ کا مفہوم کیا ہے؟	
	آسمانوں پر مہمان عرش کا بے مثال استقبال	
۱۸	دنیٰ اور تدلیٰ میں فرق	
	۱۔قرب صفات	
	۲۔قرب ذات	
۱۹	قاب قوسین سے کیا مراد ہے؟	
	قاب قوسین کا تہذیبی، ثقافتی اور مجلسی پس منظر	
	عبد اور معبود کا فرق قائم رہا	
	احدیت اور احمدیت کی قوسین	
	مقام عبدیت	
	عقیدۂ توحید اور واقعہ معراج	
۲۰	**معراج کیوں؟**	
	۱۔ نگاہوں میں جو تم ہو	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	۲۔ امت سے پیار	
	۳۔ انمول تحفے	
	باب پنجم:	
۲۱	**قرآن اور معجزۂ معراج مصطفیٰ ﷺ**	
	ہر سمت ہے محامد سرکار ﷺ کی دھنک	
	فصل اول:	
۲۲	**سورۂ اسراء کی روشنی میں واقعہ معراج**	
۲۳	لفظ سبحان کے معارف و حکم	
	پہلی حکمت	
	دوسری حکمت	
	تیسری حکمت	
	چوتھی حکمت	
	پانچویں حکمت	
۲۴	الذی اور بعبدہٖ کے اسرار و رموز	
	۱۔ نہ کوئی زمین پہ جواب ہے نہ فلک پہ کوئی مثال ہی	
	۲۔ حضور ﷺ کا بشری و تہذیبی وجود سلامت رہا	
	۳۔ مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی	

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	۴۔ سب کچھ عطا کیا ہے خدا نے حضور ﷺ کو	
	۵۔ حقیقتِ محمدی ﷺ	
	۶۔ ہر حسن کائنات تیری راہگزر میں ہے	
	۷۔ اے کہ ترے وجود پر خالقِ دو جہاں کو ناز	
	۸۔ عالم بشریت کی زد میں	
	۹۔ شاہکار صناعِ ازل	
	اسریٰ بعبدہ لیلاً کے ایمان افروز نکات	۲۵
	۱۔ حصول مقصد میں رات کی فضیلت	
	۲۔ شب جائے کہ من بودم	
	۳۔ وقت کی طنابیں سمیٹ لی گئیں	
	۴۔ سفر لامکاں	
	فصل دوم: سورۂ والنجم کی روشنی میں واقعہ معراج	۲۶
	لفظ نجم کا مفہوم	
	لفظ نجم کا پہلا معنی	
	لفظِ نجم کا دوسرا معنی	
	لفظِ نجم کا تیسرا معنی	

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	والنجم اذا ھوٰی کے مختلف معانی	۲۷
	والنجم اذا ھوٰی کا پہلا معنی...... اصل کائنات	۲۸
	تصور کائنات کا مرکزی خیال	
	ظہور مصطفیٰ ﷺ	۲
	مرحلہ تخلیق	
	مرحلہ ولادت	
	مرحلہ بعثت	
	نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر	
	پہلی مثال	
	دوسری مثال	
	والنجم اذا ھوٰی کا دوسرا معنی	۲۹
	ظاہری و باطنی کمالاتِ مصطفوی کا ظہور	
	حضور ﷺ کو النجم کیوں کہا گیا	
	والنجم اذا ھوٰی میں مخفی حقائق	
	سفر معراج کا نقطہ آغاز اور منتہائے کمال	
	لامکان کی وسعتوں سے زمین پر نزول	
	صوفیاء کی تعبیر معراج	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	مرتبہ عروج و نزول	
	پیکر جود و کرم کا احسان عظیم	
۳۰	والنجم اذا ھوٰی کا تیسرا معنی: پورے سفر معراج کی قسم	
	قرآنی قسموں کی حکمتیں	
	قسم اس سرزمین کی جس نے تیرے قدموں کو بوسہ دیا	
۳۱	والنجم اذا ھوٰی کا چوتھا معنی: سفر معراج کی سرعتِ رفتار	
	معجزۂ معراج میں رفتار نبوی کا بیان	
	عظمتِ رفتار مصطفوی ﷺ	
	سفر معراج کی جزئیات کا احاطہ ممکن نہیں	
۳۲	والنجم اذا ھوٰی کا پانچواں معنی: قلب انور و تجلیات الٰہیہ کا مرکز بننا	
۳۳	والنجم اذا ھوٰی کا چھٹا معنی:	
	کائنات کی ہر چیز پر رحمتِ محمدی ﷺ محیط ہے	
۳۴	لفظ ھوٰی کے مختلف معانی	
	ھوٰی کا پہلا معنی: فنا ہونا	
	ھوٰی کا دوسرا معنی: مانند برزخ ہونا	
	رسول کائنات کی تین حیثیتیں	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	ھویٰ کا تیسرا معنی: غیر اللہ سے منقطع ہونا	
	ھویٰ کا چوتھا معنی: پھوٹنا، جاری ہونا	
	ھویٰ کا پانچواں معنی: محبت و خواہش	
	درجات نفس	
	انتہائے قربِ الٰہی کی ایمان افروز تفسیر	
۳۵	آفتاب رسالت کا تین مطالع پر طلوع	
	۱۔ پہلا طلوع	
	۲۔ دوسرا طلوع	
	۳۔ تیسرا طلوع	
	بے مقصد مباحث	
۳۶	معراج مصطفوی ﷺ کی تین حیثیات	
	۱۔ بشریت	
	۲۔ ملکیت و نورانیت	
	۳۔ مظہریت و حقیقت	
	فصل سوم:	
۳۷	**رویت باری تعالیٰ کی تحقیق**	
	انکار رویت کی دو ممکنہ صورتیں	

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کی تشریح	
	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف	
	دوسری آیت کی تشریح	
	سفرِ معراج ربِ کائنات کی قدرت کاملہ کا مظہر	
	انکارِ رؤیت کی تیسری دلیل	
	اللہ تعالیٰ خالق ہے	
	اِمکانِ رؤیت باری تعالیٰ	
	رؤیت باری پر متفق علیہ حدیث	
	دولتِ دیدارِ الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مختص تھی	
	دیدارِ الٰہی کے بارے میں علمائے امت کی تصریحات	
	بارگاہِ خداوندی میں مسلسل حاضری	
	چشمانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیدارِ الٰہی میں محو تھیں	
	دل نے تجلیاتِ الٰہی کی تصدیق کی	
	سفرِ مراجعت	
	فصل چہارم:	
	اِزالہ شبہات	۳۸
	پہلا شبہ: معراج جسمانی یا روحانی	

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	دوسرا شبہ: انتہائے سفرِ معراج	
	تیسرا شبہ: معراج کی غرض و غایت	
	آیاتِ معراج کی تفسیر و توضیح	
	آیاتِ معراج باہم متعارض نہیں	
	اختلافِ روایات کا سبب	
	مآخذ معجزہ معراج النبی ﷺ	۳۹
	اشاریہ	۴۰
	کتابیات	۴۱

پیش لفظ

معراج النبی ﷺ تاریخ انسانی کا ایسا حیرت انگیز، انوکھا اور نادر الوقوع واقعہ ہے جس کی تفصیلات پر عقل ناتواں آج بھی حیران اور ششدر ہے۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیونکر ہوگیا۔ مادی فلسفہ کی خوگر اور اربعہ عناصر کی بے دام باندی دنیاوی عقل یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ پیکر انسانی ان حدود کو عبور کر کے لامکان کی رفعتوں تک بھی پرواز کرسکتا ہے اور وہ کچھ دیکھ لیتا ہے جسے دیکھنے کی انسانی نظر میں تاب نہیں۔ اس لئے حدود و قیود کے پابند لوگ اس بے مثال عروج و ارتقاء پر بہت حیران ہوتے ہیں اور اسے من و عن اور مستند انداز سے مذکورہ تفصیلات کے ساتھ بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ایسے ایسے شبہات وارد کرتے ہیں کہ دلائل سے غیر مسلح ذہن اور عام آدمی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

حضرت العلامہ، نابغہ عصر، مفکر اسلام، قائد انقلاب جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کو اللہ پاک نے ہر موضوع پر بات کرنے، اسے سلجھانے اور شکوک و شبہات کو زائل کرنے کا جو خاص ملکہ اور سلیقہ عطا فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ ضرورت تھی کہ اپنے خاص انداز میں اس موضوع کی طرف توجہ دیں اور اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں چنانچہ مخصوص حالات و واقعات میں مختلف مقامات پر انہوں نے اس مقدس واقعہ کے مختلف پہلوؤں کو موضوع سخن بنایا اور علم و حکمت کی شمع فروزاں کرنے کا فریضہ سرانجام دیا اور نہ صرف یہ کہ اہل ایمان کا ایمان تازہ ہوا بلکہ ذہن میں چبھے ہوئے شکوک و شبہات کے کانٹے بھی نکل گئے۔

آپ کے یہ خطابات ابھی تک کتابی شکل میں منظر عام پر نہیں آئے تھے۔ ان کی بے پناہ افادیت کے پیش نظر ضرورت تھی کہ انہیں جلد از جلد مدون کر کے قارئین کے علمی ذوق کی نذر کیا جائے۔ اس ایمان افروز موضوع پر پروفیسر صاحب کے خطبات کثیر تھے۔ چونکہ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو دو سورتوں میں بیان فرمایا اور دونوں جگہوں پر تفصیلات مختلف ہیں اس لئے قارئین کی سہولت کے لئے اس موضوع کو انہی دو سورتوں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں سورہ

الاسراء اور سورہ النجم کے تحت چند مرتبہ خطبات شامل ہیں۔

تدوین نو کے بعد اب یہ کتابی صوری و معنوی حسن سے آراستہ ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہے، پڑھ کر ہی آپ اس کی افادیت کا انداز لگاسکیں گے لیکن میں اتنا عرض کردوں کہ حضرت محترم قادری صاحب قبلہ مدظلہ نے اس موضوع کے کسی ضروری پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ علم و فضل کی بلندیوں سے جھانک کر ایسے محققانہ اور بصیرت افروز انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ دل میں نور عشق اُمڈ آتا ہے اور تصور کو پر پرواز لگ جاتے ہیں اور وہ خود لامکاں کی رفعتوں میں گم ہوجاتا ہے۔

یہ سائنسی دور ہے جدید اختراعات نے ذہنوں کو اپنے طلسم میں جکڑ رکھا ہے۔ ان کے حوالے سے بات کی جائے تو وہ دلوں میں اتر جاتی ہے اور نئی تعلیم یافتہ پود اسے فوراً تسلیم کرلیتی ہے۔ قائد محترم نے سائنسی نقطہ نظر سے بھی اپنے منفرد انداز میں حقائق کو ایسے اجاگر کیا ہے کہ ذہن آفاقی سچائی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ یہ موضوع ایک مادہ پرست ذہن کے لئے بھی دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ یہ واقعہ طی زمان و مکاں کی بھی ایک نادر مثال ہے۔ حضرت قبلہ قادری صاحب نے اس حوالے سے بھی امکان معراج کو ثابت کردیا ہے۔ اس کے علاوہ قربت باری تعالیٰ معراج جسمانی اس پر موافقین و مخالفین کے دلائل، شق سدر، نمازوں مین تخفیف کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راستہ میں کھڑا کرنے کی حکمت، ثمرہ عروج و نزول اور اس نوع کے بہت سے علمی پہلو ہیں جو سائنٹیفک اور مدلل انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس موضوع پر یہ کتاب ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے جسے پڑھ کر نہ صرف شکوک و شبہات کا ازالہ ہوتا ہے بلکہ نئی نئی معلومات بھی ملتی ہیں حضور نبی اکرم ﷺ کے مقامات و مراتب کا پتہ چلتا ہے اور نتیجے میں نسبت غلامی استوار ہوتی ہے، محبت بڑھتی ہے جو ایک سچے امتی کی متاع بے بہا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت قبلہ قادری مدظلہ کو امت کی اس روحانی قیادت و رہنمائی پر اپنی رضا و رحمت عطا فرمائے اور حضور ﷺ کا اور زیادہ فیضان نصیب فرمائے۔ آمین

شیخ الحدیث محمد معراج الاسلام
منہاج انٹرنیشنل یونیورسٹی لاہور

بابِ اوّل

حقیقتِ معجزہ

فصل اوّل

تفہیمِ معجزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس کائناتِ ارض وسماء میں عجائبات کی ایک دُنیا آباد ہے۔ ہر لمحہ پھیلتی ہوئی یہ کائنات جو اربوں، کھربوں کہکشاؤں پر مشتمل ہے، وُسعت پذیری کے عمل سے گزرنے کے ساتھ ساتھ داخلی اور خارجی حوالوں سے بھی تغیر پذیر ہے۔ گویا ہر لمحہ تغیرّات کا لمحہ ہے، ہر ساعت نت نئے اِنکشافات کی ساعت ہے۔ اِس کائناتِ رنگ و بو میں خالقِ کائنات کے فرستادہ رسولانِ مکرّم اور اَنبیائے محتشم کے دستِ حق پرست پر قدرتِ خداوندی سے رُونما ہونے والے ماورائے عقل واقعات کو ''**معجزہ**'' کہتے ہیں۔ معجزے کی کاملاً مادّی توجیہہ کسی طور بھی ممکن نہیں۔ اس کا تعلق اِیمان، اِیقان اور وِجدان سے ہوتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی سبک سیر ترقی کے باعث جدید تر سائنسی اِنکشافات قدم قدم پر حیران کن حقائق پر سے پردہ اُٹھا رہے ہیں کہ اِنسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور تصویرِ حیرت بن کر اپنے دامنِ شعور کی تنگی کے اِحساس کا ماتم کرنے لگتی ہے۔ اگرچہ سائنس کائنات کے اَن گنت راز ہائے سربستہ سے بھی پردہ اُٹھاتی دِکھائی دیتی ہے لیکن اِس کے باوجود وہ اِن معجزانہ حقائق کی مادّی توجیہات پیش کرنے سے یکسر عاجز ہے جو خالقِ ارض وسماء نے اپنے اَنبیائے محتشم کے دستِ حق پرست پر صادِر فرمائے۔ عقل اُنہیں تسلیم کرے یا نہ کرے یا خود بھی اِشکالات کا شِکار ہو یا ذہنِ اِنسانی کو بھی غبارِ تشکیک سے آلودہ کرے، حقائق بہرحال حقائق ہیں، اُن کے اِنکار سے اُن کی نفی لازِم نہیں آتی۔ اگر ہم غور و فکر اور تدبّر سے مادّے ہی کے اَسرار و رُموز پر سے

پردہ اُٹھائیں تو کائنات میں رُونما ہونے والے محیر العقول واقعات کی توثیق بھی ملتی نظر آتی ہے۔ سائنس جو مادّے کی کائناتی سچائیوں کی تعبیر اور اِنسانی زِندگی میں اُس کے عملی اِطلاق پر مامور ہے، واضح اور روشن زبان میں دراصل عالمِ اَسباب وعلل کے تحت رُونما ہونے والے اُنہی محیر العقول واقعات کی مادّی توجیہہ وتعبیر کا فریضہ سراِنجام دے رہی ہے۔ سائنسدان مادّے کی اِرتقائی صورتوں کے مسلسل مُشاہدے کے ذرِیعے اِس نتیجے پر پہنچتے دِکھائی دے رہے ہیں کہ کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے۔

سائنس عالمِ اَسباب اور اللہ ربّ العزّت کی طے کردہ فطرت کے قوانین کے مطالعہ کا نام ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اِن اَلفاظ میں ذِکر کیا ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔

(حٰم السجدہ، ۴۱:۵۳)

ہم عنقریب اُنہیں دُنیا میں اور خود اُن کی ذات میں (اپنی قدرت وحکمت کی) نشانیاں دِکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے کہ یہ (قرآن) حق ہے۔

عالمِ اَسباب کو اپنا موضوعِ بحث بنانے والی سائنس عالمِ مافوق الفطرت کے مطالعہ سے تو کجا اُس کی اَبجد کے شعور سے بھی محروم ہے۔ آج جو اَعمال و اَفعال ہم اَسباب اِختیار کر کے سراِنجام دیتے ہیں اور اُنہیں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے مظہر قرار دیتے ہیں، اُن میں سے بہت سے اَعمال اَسباب وعِلل کے بغیر سائنسی زبان میں یکسر ناممکن قرار پاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ سائنس اپنے مخصوص دائرۂ کار (عالمِ اسباب) میں مقیّد ہونے کے سبب مادُون الاَسباب اور مافوق الفطرت اَفعال کا سراِنجام دینا تو کجا اُن کی تعبیر و توجیہہ اور تفہیم و توثیق کے قابل بھی کسی صورت نہیں ہو

سکتی۔ یہاں اِس اَمر کی وضاحت ضروری ہے کہ معجزہ کسی مادّی تعبیر و تفہیم یا توجیہہ و توثیق کا محتاج نہیں، مقصود صرف اِس اَمر کی نشاندہی ہے کہ جن حقائق کا اِنکشاف حضور رحمتِ عالم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل وحئ اِلٰہی اور علمِ نبوت کی بنیاد پر کیا تھا، آج سائنس اپنے اِرتقائی سفر کے اَن گنت مراحل طے کرنے کے بعد اُن حقائق کی اپنی سی جزوی تعبیر و توجیہہ کرنے کے قابل ہوئی ہے۔ یقیناً اِس بات کا اِمکان موجود ہے کہ سائنس آگے چل کر اپنے موجودہ نظریات سے رُجوع کر لے یا اُن میں ترمیم و اِضافہ کو ضروری گردانے، لیکن ہمارے لئے تاجدارِ کائنات ﷺ کی زبانِ اَقدس سے نکلا ہوا ہر حرف، حرفِ آخر ہے اور یہی ہماری اِیمانیات کا بنیادی پتھر ہے۔

معجزہ کا لُغوی مفہوم

لفظِ معجزہ کا مادّۂ اِشتقاق: عَجِزَ، یَعْجَزُ عَجْزًا ہے، جس کے معنی: ’’کسی چیز پر قادِر نہ ہونا‘‘، ’’کسی کام کی طاقت نہ رکھنا‘‘ یا ’’کسی اَمر سے عاجز آ جانا‘‘ وغیرہ ہیں۔ محاورۂ عرب میں کہتے ہیں: عَجِزَ فُلَانٌ عَنِ الْعَمَلِ ’’فُلاں آدمی وہ کام کرنے سے عاجز آ گیا‘‘۔ أی کبر و صار لا یستطیعه فهو عاجزٌ (المنجد: ۴۸۸) یعنی اُس کام کا بجا لانا مشکل بھی ہے اور وہ اُس کام کو کرنے کی اِستعداد بھی نہیں رکھتا...... اُسے رُو بہ عمل لانے کی بنیادی صلاحیت اُس میں موجود نہیں، اِس لئے وہ یہ کام کرنے سے عاجز ہے۔ المفردات میں اِمام راغب اِصفہانی معجزے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

و العجز أصله التّأخرعن الشئ و حصوله عند عجز الأمر، أی: مؤخره......و صار فی التّعارف	’’عجز‘‘ کے اصلی معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانے یا اُس کے ایسے وقت میں حاصل ہونے کے ہیں جبکہ اُس کا وقت

إسماً للقصور عن فعل الشئ' وهو ضد القدرة۔
(المفردات' بذیل عجز: ۵۴۷)

نکل چکا ہو...... عام طور پر یہ لفظ کسی کام کے کرنے سے قاصر رہ جانے پر بولا جاتا ہے اور یہ 'القدرۃ'' کی ضد ہے۔

معجزہ کا اِصطلاحی مفہوم

مختلف اَدوار میں اَربابِ علم وفن نے معجزہ کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔ چند اہم تعریفات یہ ہیں:

۱-أمر خارق العادۃ یعجز البشر عن أن یأتوا بمثلہ۔
(المنجد: ۴۸۸)

معجزہ اُس خارقُ العادت چیز کو کہتے ہیں جس کی مِثل لانے سے فردِ بشر عاجز آ جائے۔

۲- قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں:

إعلم أنّ معنٰی تسمیتنا ماجاءت بہ الأنبیاء معجزۃ ہو أن الخلق عجزوا عن الإتیان بمثلھا۔
(الشفاء، ۱: ۳۴۹)

یہ بات بخوبی جان لینی چاہیئے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں اُسے ہم نے معجزے کا نام اِس لئے دیا ہے کہ مخلوق اُس کی مِثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔

۳- اِمام خازنؒ معجزہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المعجزۃ مع التحدّی من النبی قائمۃ مقام قول اللہ عزّ و جلّ: ''صَدَقَ عَبۡدِیۡ فَأَطِیۡعُوۡہُ وَ اتَّبَعُوۡہُ'' و لأن معجز النبی

معجزہ اللہ کے نبی اور رسول کی طرف سے (جملہ اِنسانوں کے لئے) ایک چیلنج ہوتا ہے اور باری تعالیٰ کے اِس فرمان کا آئینہ دار ہوتا ہے کہ:

شاهدٌ علیٰ صدقه فيما يقوله و سُمِّيت المعجزةُ معجزةً لأن الخلق عجزوا عن الإتيانِ بمثلها۔

(تفسیر الخازن، ۲:۱۲۴)

''میرے بندے نے سچ کہا، پس تم اُس کی (کامل) اِطاعت اور پیروی کرو''۔ اِس لئے کہ نبی و رسول کا معجزہ جو کچھ اُس نے فرمایا ہوتا ہے اُس کی حقّانیت اور صداقت پر دلیلِ ناطق ہوتا ہے اُسے (عرفاً و شرعاً) معجزہ کا نام اِس لئے دیا گیا ہے کہ اُس کی مِثل (نظیر) لانے سے مخلوقِ اِنسانی عاجز ہوتی ہے۔

۴- المعجزة عبارةٌ عن إظهار قدرة الله سبحانه و تعالیٰ و حكمته علیٰ يد نبی مرسل بين أُمّته بحيث يعجز أهل عصره عن إيراد مثلها۔

(معارج النبوۃ، ۴:۳۷۷)

معجزہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اُس کے برگزیدہ نبی کے دستِ مبارک پر اِظہار ہے تاکہ وہ اپنی اُمت اور اہلِ زمانہ کو اُس کی مِثل لانے سے عاجز کر دے۔

۵- ابوشکور سالمیؒ نے بھی معجزہ کی بڑی جامع تعریف کی ہے، فرماتے ہیں:

حد المعجزة أن يظهر عقيب السوال و الدّعویٰ ناقضاً للعادة من غير إستحالة بجميع الوجوه و يعجز الناس عن إتيان مثله

معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ سوال اور دعویٰ کے بعد (اللہ کے رسول اور نبی کے ہاتھ پر) کوئی ایسی خارقِ عادت چیز ظاہر ہو جو ہر حیثیت سے مُحال نہ ہو

بعد التجهد و الإجتهاد إذا كان بهم حذاقة و رزانة فی مثل تلک الصنیعة۔	اور لوگ باوجود کوشش اور تدبیر کے اُس قسم کے معاملات میں پوری فہم و بصیرت رکھتے ہوئے بھی اُس کے مقابلے سے عاجز ہوں۔
(کتاب التمہید فی بیان التوحید از ابوشکور:۱۷)	

مندرجہ بالا تعریفات سے یہ بات اظہر مِن الشّمس ہو جاتی ہے کہ

۱۔ معجزہ مِن جانبِ اللہ ہوتا ہے لیکن اُس کا صدُور اللہ کے برگزیدہ نبی اور رسول کے ذرِیعہ ہوتا ہے۔

۲۔ معجزہ مروّجہ قوانینِ فطرت اور عالمِ اَسباب کے برعکس ہوتا ہے۔

۳۔ معجزہ نبی اور رسول کا ذاتی نہیں بلکہ عطائی فعل ہے اور یہ عطا اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ہوتی ہے۔

۴۔ معجزے کا ظہور چونکہ رحمانی اور اُلوہی قوّت سے ہوتا ہے اِس لئے عقلِ اِنسانی اُس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے اور تصویرِ حیرت بن کر سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ وہ اس کی حقیقت کا اِدراک نہیں کرسکتی۔

اِصطلاحِ معجزہ کی حقیقت

محدّثین، مفسّرین اور مفکّرین نے ہر ہر مسئلہ کے ہر ہر پہلو پر علم و حِکمت کے موتی بکھیرے ہیں اور کمالِ عرق ریزی سے اُمور و مسائل کی گتھیاں سُلجھانے کی سعی کی ہے۔ اَربابِ علم و دانش نے اپنے محدود پیرائے میں معجزہ کے بارے میں بھی عِلمی، فِکری اور اِعتقادی سطح پر حرفِ حق کی تلاش کا سفر جاری رکھا ہے اور تحقیق و جستجو کے محاذ پر دادِ شجاعت دی ہے۔ اِس ضمن میں بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ ''**معجزہ**'' کا لفظ اللہ ربّ العزّت نے قرآنِ مجید میں کسی ایک مقام پر بھی اِستعمال نہیں کیا۔ اِس لئے وہ

اِحتیاطاً معجزات کے بیان اور اُن کے اِثبات کے لئے قرآنی لفظ ''**آیات**'' کا اِستعمال کرتے ہیں۔ یہ اِستعمال یقیناً درُست ہے لیکن قرآن کا اُسلوب ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیئے۔ یہ بات ذِہن نشین رہنی چاہئے کہ قرآن اِصطلاحات اور مخصوص اَلفاظ کو بیان نہیں کرتا بلکہ وہ فقط نفسِ مضمون دیتا ہے اور اِیمانیات کے بنیادی تصوّرات سے بحث کرتا ہے۔ بعد اَزاں اہلِ عِلم اُسے اِصطلاحی زبان دے کر ترسیلِ مفہوم کی سعی کرتے ہیں۔ یہی حال تصوّف کا بھی ہے۔ قرآنِ مجید میں تصوف کے لئے لفظ ''تزکیہ'' اور حدیث میں ''اِحسان'' کا لفظ آیا ہے مگر جب وہ باقاعدہ عِلم بنا تو اُسے تصوّف کا نام دیا گیا۔ اِسی طرح دیگر اِصطلاحاتِ علوم تشکیل پذیر ہوئیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ لفظِ آیات میں لفظِ معجزہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظِ ''**آیات**'' میں عمومیت ہے جبکہ لفظِ ''**معجزہ**'' میں خصوصیّت ہے۔ لفظِ ''**معجزہ**'' اصل فعل کے صدُور اور وُقوع کی کیفیّت کو بھی بیان کرتا ہے۔ اِنسان کی ساری ظاہری اور باطنی صلاحیتیں اور قوّتیں معجزہ کے صدُور پر عاجز رہ جاتی ہیں۔

اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید میں اِس فعل کو فقط آیات سے تعبیر نہیں کیا بلکہ متعدّد دُوسرے الفاظ کے ذریعہ بھی اُس کے بنیادی تصوّر کو واضح کیا ہے۔

لفظِ ''آیت'' کا مفہوم

لفظِ آیت کا معنی عموماً نشانی (علامت) لیا جاتا ہے، تاہم یہ لفظ تین معنوں میں اِستعمال ہوتا ہے:

۱۔ آیت بمعنی قرآن کا جملہ

خدائے بزرگ و برتر نے کفّار و مُشرکین کو کھلا چیلنج دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا آپ فرما دیجئے: ''پھر تم اُس کی مِثل

مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَO
(یونس،۱۰:۳۸)

کوئی (ایک) سورت لے آؤ اور (اپنی مدد کے لئے) اللہ کے سِوا جنہیں تم بُلا سکتے ہو بُلا لو، اگر تم سچے ہو‘‘O

قرآن کے مُنفرد اُسلوب اور غیر متزلزل اِعتماد کی نظیر ممکن ہی نہیں۔ کفّار و مُشرکین اور اُن کے حواریوں کو قرآن کا کھلا چیلنج ہے کہ وہ کوئی ایک سورت یا آیت یا جملہ ہی بنا کر لائیں۔ قرآن بذاتِ خود حضور ختمی المرتبت ﷺ کا ایک دائمی معجزہ ہے اور کسی معجزہ کی مِثال پیش کرنے سے عقلِ اِنسانی عاجز رہتی ہے۔

۲۔ آیت بمعنیٰ واضح نشانی

قرآن میں آیت کا لفظ واضح نشانی کے معنوں میں بھی اِستعمال ہوا ہے۔ اِمام راغب اِصفہانیؒ نے ’’**المفردات**‘‘ میں لکھا ہے:

هى العلامة الظاهرة و حقيقتهٗ لكل شئ ظاهر هو ملازم لشئ لا يظهر ظهوره۔
(المفردات، بذیل أیّ:۱۰۱)

اِس کے معنی علامتِ ظاہرہ یعنی واضح علامت کے ہیں۔ دراصل ’’**آية**‘‘ ہر اُس ظاہر شئے کو کہتے ہیں جو دُوسری ایسی شئے کو لازِم ہو جو اُس کی طرح ظاہر نہ ہو۔

اِس معنی کے لحاظ سے اللہ ربّ العزّت نے اِنسان کو مطالعۂ اَنفس و آفاق کی طرف قرآنِ حکیم میں یوں مخاطب کیا ہے:

سَنُرِيۡهِمۡ اٰيَاتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَ فِىۡ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ۔

ہم عنقریب انہیں دنیا میں اور خود اُن کی ذات میں اپنی (قدرت وحکمت کی) نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن

(السجدہ، ۴۱:۵۳) پر کھل جائیگا کہ یہ (قرآن) حق ہے۔

۳-آیت بمعنیٰ خارقِ عادت

آیت کا لفظ قرآنِ حکیم میں خارقِ عادت کے معنوں میں بھی اِستعمال ہوا ہے۔ خارقِ عادت اَیسے خِلافِ معمول اَفعال و واقعات کو کہتے ہیں جو عادتِ جاریہ کے برعکس ہوں اور اَسباب وعِلل کے اِحاطہ و اِدراک میں نہ آ سکیں۔ جیسا کہ اِرشادِ ربّانی ہے:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ أَوْ تَأْتِيْنَا اٰيَـةٌ۔

(البقرہ، ۲:۱۱۸)

اور جو لوگ علم نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ: ’’اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں فرماتا یا ہمارے پاس (براہِ راست) کوئی نشانی کیوں نہیں آتی‘‘؟

گویا ہمیں ایسے واقعات کیوں نہیں دِکھائے جاتے جو ہماری عقل کو عاجز کر دیں اور ہم اُنہیں دیکھ کر دائرۂ اِیمان میں داخل ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے براہِ راست اُن سے گفتگو کرنے کو یہ اللہ کی نشانیوں یعنی معجزات میں شمار کرتے۔ آیتِ مذکورہ میں اللہ کے نبی سے معجزہ طلب کیا جا رہا ہے۔ باری تعالیٰ سے ہمکلامی خارقِ عادت بات ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ أَنْ يَّأْتِيَ بِـاٰيَـةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ۔

(المومن، ۴۰:۷۸)

اور کسی رسول کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی (کوئی آیت، کوئی معجزہ) اللہ کے حکم کے بغیر لے آئے۔

قرآنی اسلوب کی مزید مثالیں

خارقِ عادت واقعات کے لئے کلامِ مجید میں لفظِ ''**آیت**'' کے علاوہ تین اَلفاظ اور بھی مذکور ہیں:

۱- مُبْصِرَةٌ

یہ لفظ بھی قرآن میں معجزہ کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے، یعنی اَیسی بیّن و واضح نِشانی جو بذاتِ خود اِس طرح ظاہر ہو کہ اُس کے دیکھنے سے دیکھنے والے کی آنکھیں کھل جائیں اور اُس پر حقیقت اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ واضح اور روشن ہو جائے، تشکیک وشبہات کا غبار چھٹ جائے اور کسی قسم کا اِبہام باقی نہ رہے:

وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً۔ اور ہم نے قومِ ثمود کو (صالح علیہ السلام کی) اُونٹنی (کی) کھلی نِشانی دِی تھی۔

(بنی اِسرائیل، ۱۷:۵۹)

قومِ ثمود کی فرمائش پر اُونٹنی کا ظہور ایک معجزہ تھا۔ وہ ایک ایسی اُونٹنی تھی جو اللہ ربّ العزّت کی قدرتِ کاملہ کی آئینہ دار تھی۔

۲-بَيِّنَةٌ

دُوسرا لفظ جو قرآن میں معجزہ کے مفہوم کی وضاحت کے لئے اِستعمال ہوا ہے ''بَيِّنَةٌ'' ہے۔ بینة اَیسی کھلی دلیل کو کہتے ہیں جو فریقِ مخالف کو اِنکار کی صورت میں حجت وثبوت کے طور پر پیش کی جائے۔ اِس لحاظ سے اِس کا اِطلاق معجزہ پر بھی ہوتا ہے۔ جب اِس لفظ کے ساتھ آیت کا لفظ بھی آ جائے تو اِس کے معنی کی مزید تائید بھی ہوتی ہے اور اِس مفہوم کو تقویت بھی عطا ہوتی ہے:

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهِ بیشک تمہارے پاس تمہارے ربّ کی

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَـةٌ۔ (الاعراف، ۷:۷۳)

طرف سے ایک رَوشن دلیل آ گئی ہے۔ یہ اللہ کی اُونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے۔

ایک اور مقام پر اِرشاد فرمایا:

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ۔ (الاسراء، ۱۷:۱۰۱)

اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن نشانیاں دیں۔

مذکورہ بالا دونوں آیاتِ کریمہ میں بینۃ اور آیۃ کے اَلفاظ تقدیم وتاخیر کے ساتھ اِستعمال ہوئے ہیں۔ دونوں اَلفاظ معجزہ کے مفہوم کو واضح کر رہے ہیں۔ بینۃ اور آیۃ کے اَلفاظ سے معجزہ کے علاوہ کوئی دُوسرا مفہوم اَخذ نہیں کیا جا سکتا۔

۳- بُرْهَانٌ

قرآنِ حکیم میں معجزہ کے لئے اِستعمال ہونے والا تیسرا لفظ ''بُرْهَانٌ'' ہے۔ برھان ایسی دلیل کو کہتے ہیں جو فریقِ مخالف کے تمام دلائل سے زیادہ وزنی اور ان پر حاوی ہو اور کسی تنازعہ کا فیصلہ کر دینے والی ہو:

اُسْلُکْ يَدَکَ فِیْ جَيْبِکَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ وَ اضْمُمْ إِلَيْکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِکَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَّبِّکَ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَائِهِ إِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْماً فٰسِقِيْنَ۝ (القصص، ۲۸:۳۲)

اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر ڈالو (اور پھر نکالو) وہ بِلا کسی عیب (یعنی بیماری وغیرہ) کے سفید (روشن ہو کر) نکل آئے گا اور خوف (کو دُور کرنے) کے لئے اپنے بازو اپنے پہلو سے ملا لیا کرو۔ پس یہ دو دلیلیں (یعنی دو معجزے)

تمہارے ربّ کی طرف سے فرعون اور
اُس کے سرداروں کی طرف ہیں۔ بیشک
وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں o

یہاں قرآنِ حکیم میں معجزہ کے لئے لفظِ برھان اِستعمال ہوا ہے یعنی ایسی دلیل جس کے سامنے کوئی دلیل کام نہ آ سکے۔ یہ ایسی برھانِ قاطعہ تھی جس کے سامنے بنی اِسرائیل کے سارے جادُوگروں کا نشہ ہرن ہوگیا۔ اُن کے طلسم کا حِصار ٹوٹ گیا، اُن کا فنِ جادوگری ناکام ولاجواب ہوگیا اور اُن کی جملہ قوّتیں بے بسی کی تصویر بن کر رہ گئیں۔

خارقِ عادت اَفعال کی اَقسام

اِس کارخانۂ قدرت میں اَن گنت دُنیائیں آباد ہیں۔ اِنسان اَشرفُ المخلوقات ہے لیکن اِس کائنات میں وہ تنہا ہی مخلوقِ خدا نہیں۔ خالقِ کائنات کی مخلوقات کا شمار ممکن ہی نہیں۔ نجانے اِن خلاؤں میں گردش کرنے والے اَربوں کھربوں سیّاروں میں زِندگی کن اَشکال اور کن مراحل میں اِرتقاء پذیر ہے! اگر ہم صرف اِس کرۂ ارضی پر بسنے والی مخلوقات، چرند، پرند، حشرات الأرض اور آبی مخلوقات کی دُنیاؤں کی سیر کو نکلیں اور اِن مخلوقات کے معمولات کا مُشاہدہ کریں تو صنّاعِ اَزل کی قوّتِ تخلیق کے تصوّر کا ہلکا سا پرتو بھی ذہنِ اِنسانی کی تنگناؤں میں سماتا نظر نہیں آتا۔ اِسی طرح اِس کرۂ ارضی پر خلافِ معمول رُونما ہونے والے واقعات کا تسلسل بھی حیطۂ شعور میں آنا ممکن نہیں، یہ سلسلہ اِس حیرت کدے میں اَزل سے جاری ہے اور اَبد تک جاری رہے گا، البتّہ نبوّت کی طرح معجزات کا دروازہ بھی نبیٔ آخرالزّماں ﷺ کی حیاتِ مقدّسہ کے بعد بند ہو چکا ہے۔ واضح رہے کہ تصرّفاتِ حضور ﷺ کا سِلسلہ آج بھی جاری ہے اور

قیامت تک جاری رہے گا کہ قیامت کے دِن بھی آپ ﷺ ہی کے پرچم شفاعت کے سائے تلے اَولادِ آدم کو رِدائے عافیّت نصیب ہوگی۔

اِنسانی زِندگی میں دوطرح کے اَفعال وُقوع پذیر ہوتے ہیں۔ایک وہ اَفعال جو معمول کے مطابق اِنجام پاتے ہیں اور تھوڑا سا غور و فکر کرنے سے اُن کی توجیہہ ممکن ہوتی ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں ان افعال و واقعات کی اَن گِنت مثالیں پائی جاتی ہیں جیسے کسی شخص کا بیماری کی وجہ سے فوت ہو جانا۔ دُوسرے وہ اَفعال جو معمول سے ہٹ کر بلکہ خلافِ معمول ہوتے ہیں اور اُن کی کامل توجیہہ کسی طور پر بھی ممکن نہیں ہوتی۔ اُنہیں خارقِ عادت اَفعال کہا جاتا ہے۔ یہ خلافِ معمول واقعات مختلف لوگوں سے مختلف شکلوں میں صادِر ہوتے ہیں۔ان خلافِ معمول واقعات کو چار مختلف اَقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱- معجزہ

۲- اِرھاص

۳- کرامت

۴- اِستدراج

۱- معجزہ

جب کسی نبی اور رسول کو خِلعتِ نبوّت و رِسالت سے سرفراز کیا جاتا تو کفّار و مُشرکین دعوئ نبوّت کی صداقت کے طور پر اُس سے دلیل طلب کرتے۔ اِس پر قدرتِ خداوندی سے جو خارقِ عادت واقعہ اُس نبی یا رسول کے دستِ حق پرست سے صادِر ہوتا اُسے معجزہ کہتے ہیں۔

۲-اِرہاص

وہ خلافِ معمول واقعات یا عجائبات جن کا ظہور کسی نبی یا رسول کی وِلادتِ باسعادت کے وقت یا پیدائشِ مبارکہ سے پہلے ہوتا، اِرہاص کہلاتے ہیں۔ اُن واقعات کا رُونما ہونا اِس اَمر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ پیدائش ایک غیرمعمولی پیدائش ہے۔ مثلاً حضور رحمتِ عالم ﷺ کی وِلادتِ پاک سے پہلے دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آسمان سے سِتارے سائبان کی طرح زمین پر اُتر آئے ہیں اور کعبہ کے بت سجدہ ریز ہو گئے ہیں۔ سیدۂ کائنات بی بی آمنہ ؓ کا اِرشادِ گرامی ہے کہ سرکار ﷺ کی تشریف آوری کے وقت میں نے سرزمینِ مکہ سے ہزاروں میل کے بُعد پر واقع شام کے محلات دیکھے اور یہ کہ میں نے اپنے اِردگرد خوشبوئیں محسوس کیں۔ کفّار و مشرکینِ مکہ چونکہ لڑکیوں کو زِندہ درگور کر دیتے تھے اِس لئے اِس ظلم کے مستقل خاتمے کی علامت کے طور پر جس سال سرورِ کائنات ﷺ کی ولادتِ باسعادت ہوئی، اُس سال شہرِ مکہ میں کوئی لڑکی پیدا نہ ہوئی۔ آمدِ مصطفیٰ ﷺ کے صدقے میں ربِّ کائنات نے سب کو فرزند عطا فرمائے۔ گویا کارکنانِ قضا و قدر زبانِ حال سے اِعلان کر رہے تھے کہ والیٔ کون و مکاں ﷺ کی تشریف آوری کسی عام اِنسان کی آمد نہیں۔ یہ تمام خارقِ عادت واقعات اِرہاص کہلاتے ہیں۔

۳- کرامت

کرامت اُن خارقِ عادت اَفعال کو کہتے ہیں جو مومنین، صالحین اور اولیائے کرام کے ہاتھوں سے صادِر ہوتے ہیں۔ تاریخِ اِسلام اَولیاء و صوفیاء کی کرامات سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً سیدنا سلیمان علیہ السلام کے صحابی حضرت آصف برخیا کا پلک جھپکنے

سے قبل ملکہ سبا کا تخت آپ کی خدمت میں پیش کر دینا، امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا دورانِ خطبہ منبر پر ہی میدانِ جنگ کا مشاہدہ کرنا اور لشکرِ اسلام کے سپہ سالار کو عسکری ہدایات دینا اور حضرت خواجۂ اجمیرؒ کے ہاتھ پر لاکھوں ہندوؤں کا قبولِ اِسلام اُن کی کراماتِ جلیلہ میں سے ہے۔

۴-اِستدراج

یہ وہ خلافِ عادت اَفعال ہوتے ہیں جو کسی کافر، مُشرک، فاسق، فاجر اور ساحر کے ہاتھ سے صادِر ہوں۔ مثلاً: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں سامری جادوگر نے سونے کا بچھڑا بنا کر اُس کے منہ سے آواز پیدا کر لی جس کے نتیجے میں بنی اِسرائیل نے اُس کی پرستش شروع کر دی۔ اِسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوائے نبوّت کو چیلنج کرتے ہوئے فِرعون کے دربار میں جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو وہ اَژدھا بن گئیں۔ اِس قبیل کے تمام اَعمال اِستدراج کی ذیل میں آتے ہیں۔

حقیقتِ معجزہ

جہاں عقل عاجز آ جاتی ہے وہاں سے معجزے کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ معجزہ ربِّ کائنات کی قدرت اور جلالت کا اِظہار ہوتا ہے۔ یہ وہ خارقِ عادت واقعات ہوتے ہیں جو اللہ کے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں سے صادِر ہوتے ہیں۔ اُن کا بظاہر کوئی سبب نظر آتا ہے اور نہ کوئی اُن کی علّت دِکھائی دیتی ہے۔ یہ عقل کے دائرۂ اِدراک اور حیطۂ شعور میں نہیں آتے، لیکن جب اِنسان اپنے سر کی آنکھوں سے اُن کا ظہور ہوتے دیکھتا ہے تو سرِ تسلیم خم کرنے کے سِوا اُس کے پاس کوئی چارہ نہیں رہتا اور وہ کہہ اُٹھتا ہے

کہ یہ معجزہ اللہ کے نبی سے صادِر ہوا ہے، اِس لئے یہ حق ہے۔ وہ لوگ جو معجزات و کرامات کے ردّ و قبول کا مِعیار اپنی سوچ، عقل، تجربہ اور مطالعہ کو قرار دیتے ہیں نہ صرف بہت بڑے اِعتقادی مغالطے کا شکار ہو جاتے ہیں بلکہ علم کے تکبّر میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر لکڑی آگ کے الاؤ میں گر کر جلا نہ کرے تو عقل کبھی بھی ذہنِ اِنسانی کی یہ رہنمائی نہ کرے کہ آگ جلانے والی شئے ہے۔ اِس لئے کہ جو بات مُشاہدہ اور تجربہ کے خِلاف ہو عقل اُسے ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔ مثلاً: اللہ کے برگزیدہ نبی سیدنا اِبراھیم علیہ السلام بے خطر آتشِ نمرود میں کود پڑیں اور آگ گلزار بن جائے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام **قُمْ بِإِذْنِ اللهِ** کہیں تو قبر سے مُردہ اُٹھ کھڑا ہو، حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض اپنی آنکھوں سے لگائیں تو آپ علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئے، حضرت صالح علیہ السلام پہاڑ پر اپنی چھڑی مبارک ماریں تو اُس کے اندر سے اُونٹنی برآمد ہو جائے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک درباری پلک جھپکنے سے پہلے اور جسم کو غائب کئے بغیر ہزاروں میل دُور سے ملکہ بلقیس کا تخت لاکر حاضر کر دے یا پھر انگشتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھے اور چاند دو ٹکڑے ہو جائے، ڈوبتے سورج کی سمت دستِ اَقدس اُٹھائیں تو وہ غروب ہونے کے بعد واپس لوٹ آئے اور آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اَطہر کے لمس سے کھجور کا مرا ہوا درخت پھر سے زِندہ ہو جائے تو عقل اپنے دامنِ شعور کو تار تار نہیں کرے گی تو اور کیا کرے گی! ورائے عقل سرزد ہونے والے اِنہی واقعات کو معجزہ کہتے ہیں۔ عقل اِن معجزات کو سمجھنے سے معذور ہے۔

فصل دوم

ضرورتِ معجزہ

قبولِ حق اور انسانی فطرت

کشورِ اِیمان و اِیقان تسلیم و رضا کی خوئے دِلنواز سے آباد ہے، لیکن حق و صداقت کو قبول کرنا عقلی اور رُوحانی دونوں حوالوں سے اِنسان کا بنیادی مسئلہ رہا ہے۔ عقل و شعور کے سارے دائرے اِنسان کے اِسی بنیادی مسئلے کی ماہیّت اور اصلیّت کو سمجھنے کے لئے مصروفِ عمل ہیں۔ تاریخِ اِرتقائے نسلِ اِنسانی اِس اَمر کی شاہد عادل ہے کہ حق و صداقت کو قبول و تسلیم کرنے کے حوالے سے اِنسانی فطرت ہمیشہ دو طریقوں سے مانوس رہی ہے۔ ایک یہ کہ مدّعیٔ حق کی صداقت اور حقّانیت دلائل و براہین کے ذرِیعہ ثابت ہو جائے اور ذہنِ اِنسانی اُسے دِل و جان سے قبول کر لے۔ دُوسرا یہ کہ دلائل و براہین کے ساتھ ساتھ عقلی بنیادوں کے علاوہ اِذنِ اِلٰہی سے اللہ کے نبی یا اُس کے رسول کے دستِ اَقدس سے ایسے عجیب اور حیرت انگیز اُمور صادِر ہوں جو عام قوانینِ قدرت کے تابع ہوں اور نہ ظاہری اَسباب و عِلل ہی کے محتاج، حتیٰ کہ اُن کا تعلق اِکتسابِ علم و فن سے بھی نہ ہو۔ عوام و خواص اُن کے مقابلے میں نہ صرف عاجز آ جائیں بلکہ اَسباب و عِلل کے دائرے میں رہتے ہوئے اُن کی تخلیق و اِیجاد سے بھی کلیتًا بے بس ہو جائیں۔

پہلے طریق کے ساتھ دُوسرا طریق اِنسانی عقل و فکر اور ہوش و تدبیر کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ داعیٔ حق (نبی یا رسول) کا یہ فعل ہرگز ہرگز اُس کا ذاتی فعل نہیں بلکہ

اِس واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کارفرما ہے۔ اِس حقیقت کو قرآنِ مجید نے اِن اَلفاظ میں بیان کیا ہے:

وَ مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ○ (الانفال، ۸:۱۷)

(اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (اُن پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے ○

فرمایا جارہا ہے کہ: ''اے حبیب! یہ فعل آپ کا نہ تھا بلکہ ہمارا تھا۔ آپ کے دُشمنوں پر خاک آپ نے نہیں ہم نے پھینکی تھی''۔ دُوسرے لفظوں میں اللہ معجزے کے ذرِیعے اپنے نبی کا دِفاع بھی کرتا ہے اور اُس کی عظمت کا سِکّہ بھی اِنحراف کرنے اور قبول کرنے والوں کے دِلوں پر بٹھاتا ہے۔

قبولِ حق کے دو گروہ

مذکورہ دونوں طریق کی قبولیّت کے حوالے سے دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ پہلا گروہ اُن اَصحابِ علم و دانش پر مشتمل ہے جو اُمور و مسائل پر غور و فکر کرنے اور سوچنے سمجھنے میں اعلیٰ صلاحیّتوں کے مالک ہیں۔ اُن کے نزدِیک قبولیّت کا پہلا طریق زیادہ مؤثر اور کارگر ہے، جبکہ دُوسرے طریق کو وہ پہلے کی تائید و تصدیق کی حیثیّت سے قبول کرتے ہیں۔ دعوائے نبوّت کی صداقت پر عملی دلیل دیکھنے سے اُن کے یقین میں اِضافہ ہوتا ہے اور وہ بلاتامّل دائرۂ اِیمان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ دُوسرا گروہ اُن اَربابِ قوّت و اِقتدار اور عام اِنسانوں پر مشتمل ہے جو عجائب سے متاثر ہوتے ہیں۔ محیرالعقول واقعات سے اَثر پذیری اُن کے مِزاج کا حصّہ ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے طریقِ ثانی زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ اللہ کے برگزیدہ نبی اور رسول

کے معجزانہ اَفعال کا کھلی آنکھوں سے مُشاہدہ کرتے ہیں اور اُنہیں قوانینِ قدرت اور ظاہری اَسباب وعِلل سے ماوراء دیکھتے ہیں تو وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ نبی یا رسول کے اُس معجزانہ فعل میں اللہ کا اِرادہ ضرور کارفرما ہے۔ یہ اُسی کی قدرتِ کاملہ سے ظہور پذیر ہو رہا ہے جو ہر چیز پر قادِر اور اِس کائناتِ رنگ و بو کا خالق و مالک ہے۔ یوں وہ اُس معجزے کو ''**آیۃ اللّٰہ**'' تصوّر کرتے ہوئے دِل و جان سے قبول کر لیتے ہیں۔ قرآنِ حکیم فرقانِ مجید نے اکثر مقامات پر پہلے طریق ہی کو ''**حجۃ اللّٰہ**''، ''**برھان**'' اور ''**حکمۃ**'' کے اَلفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ اَنعام میں اِسلام کے بنیادی عقائد بیان کرنے کے بعد فرمایا:

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ (الانعام، ٦:١٤٩)	فرما دیجئے کہ دلیلِ محکم تو اللہ ہی کی ہے۔

ایک دُوسرے مقام پر سیدنا حضرت اِبراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا:

وَ تِلْکَ حُجَّتُنَا اٰتَیْنٰهَا إِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ۔ (الانعام، ٦:٨٣)	اور یہی ہماری (توحید کی) دلیل تھی جو ہم نے اِبراہیم علیہ السلام کو اپنی (مخالف) قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔

نبیوں اور رسولوں کے حوالے سے ایک اور مقام پر اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللهِ حُجَّةٌم بَعْدَ الرُّسُلِ۔ (النساء، ٤:١٦٥)	رسول جو خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے تھے (اِس لئے بھیجے گئے) تاکہ (اُن) پیغمبروں (کے آ جانے) کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی عذر باقی نہ رہے۔

سورۂ نساء میں ہی ایک اور مقام پر فرمایا:

يٰـأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔

(النساء، ۴:۱۷۴)

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے (ذاتِ محمدی ﷺ کی صورت میں ذاتِ حق جل مجدہٗ کی سب سے مضبوط، کامل اور واضح) دلیلِ قاطع آ گئی ہے۔

سورۂ یوسف میں فرمایا:

لَوْلَآ أَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔

(یوسف، ۱۲:۲۴)

اگر اُنہوں نے اپنے ربّ کی روشن دلیل کو نہ دیکھا ہوتا۔

سورۂ نحل میں فرمایا:

اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ۔

(النحل، ۱۶:۱۲۵)

(اے رسولِ معظم!) آپ اپنے ربّ کی راہ کی طرف حِکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور اُن سے بحث (بھی) ایسے اَنداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔

سورۂ نساء ہی میں ایک اور مقام پر اِرشاد فرمایا:

وَ أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ۔

(النساء، ۴:۱۱۳)

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حِکمت نازل فرمائی ہے۔

قرآن کے کائناتی اُسلوب کا ایک مُنفرد وصف یہ بھی ہے کہ اُس میں گنجلک سے گنجلک مسئلہ بھی کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے تاکہ ذہنِ اِنسانی پر ہر مسئلہ اور مسئلے کا ہر پہلو روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں دُوسرے طریقِ دلیل کو

اکثر آیۃُ اللہ یا آیاتُ اللہ اور بعض مقامات پر آیاتِ بیّنات یا صرف بیّنات کے اَلفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی کے بارے میں فرمایا:

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللهِ لَكُمْ اٰيَةً۔

(الاعراف، ۷:۷۳)

بیشک تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک روشن دلیل آ گئی ہے۔ یہ اللہ کی اُونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذِکر کرتے ہوئے بیان فرمایا:

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ۔

(بنی اِسرائیل، ۱۷:۱۰۱)

اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو روشن نشانیاں دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کا ذِکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

(الانبیاء، ۲۱:۹۱)

اور ہم نے اُسے اور اُس کے بیٹے (عیسیٰ) کو جہان والوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے حوالے سے فرمایا:

اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

(المائدہ، ۵:۱۱۰)

جب تم اُن کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تو اُن میں سے کافروں نے (یہ) کہہ دیا کہ: ''یہ تو کھلے جادُو کے سِوا کچھ نہیں'' ۝

سورۂ بقرہ میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ۔ اور ہم نے مریم کے فرزند عیسٰی (علیہ السلام) کو واضح نشانیاں عطا کیں۔
(البقرہ، ۲: ۲۵۳)

معجزہ پیغمبرانہ جلال کا آئینہ دار ہوتا ہے

بلاشبہ باری تعالیٰ نے ہر دَور میں اپنے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کو آیات و معجزات سے نوازا کیونکہ اللہ ربّ العزّت کو اپنے اُن مقرّب نبیوں اور رسولوں کی عظمت کا اِظہار مقصود تھا کہ لوگ اُنہیں اِحترام اور تقدّس کی نگاہ سے دیکھیں۔ ساری کائناتِ اِنسانی ہر دَور میں معجزاتِ انبیاء علیہم السلام کے سامنے بے بسی اور عاجزی کی تصویر بنی رہی۔ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کو اگرچہ اِبتلاء و آزمائش کے اَن گنت مراحل سے گزرنا پڑا، اِعلانِ حق پر باطل اپنے تمام تر مادّی وسائل کے ساتھ حرکت میں آتا اور روشنی کی راہ میں دِیوار بننے کی کوشش کرتا رہا، ذِہنوں میں فتنے پرورش پاتے رہے، سازشیں تیار ہوتی رہیں، اکثر و بیشتر اُن مقرّبانِ خدا کو مرحلۂ ہجرت سے بھی گزرنا پڑا، تاہم اُن کے منصبِ رسالت و نبوّت کے گرد جلال و جمال کا ہالہ پوری آب و تاب کے ساتھ روشن رہا اور کفر اپنی تمام تر مخالفتوں اور چیرہ دستیوں کے باوجود اُن پیکرانِ وفا کو جھٹلانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کفّار و مشرکین پیغمبرانہ جلال اور معجزات کے ظہور کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔ عقل و خرد ہر دَور میں متعجب و حیران ہوئی، کبھی تسلیم کرنے کے لئے آگے بڑھی اور کبھی اِنکار پر اُتر آئی، کبھی زبانیں تعصّب کے زہر سے آلودہ ہوکر سحر سحر کا راگ الاپنے لگیں اور کبھی غرور و تکبر اور گھمنڈ قبولِ حق کی راہ میں آن کھڑا ہوا۔ دِل اِقرار اور زبانیں اِنکار کرتی رہیں۔ چونکہ معجزہ ایک اَبدی حقیقت ہے اِس لئے قبولِ حق سے اِنکار کے باوجود اُسے دِل سے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

عطائے ربِّ جلیل

مقصد، ضرورت اور افادیت ہی ارض و سماوات کی تمام تر گردشوں کا مرکز و محور ہے۔ خالقِ کائنات نے کوئی چیز بھی مقصد کے بغیر پیدا نہیں کی، یہ الگ بات کہ ہماری عقل کسی چیز کی غایتِ تخلیق کے تمام تر پہلوؤں کا اِحاطہ کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ضرورتِ معجزہ کیا ہے؟ عقل کو عاجز کر دینے والے واقعات اور مشاہدات کے ظہور سے کیا مقصود ہے؟ دوسرے لفظوں میں منزلِ حق کے لئے ہدایتِ آسمانی کے فروغ میں اور نبی یا رسول کی عظمت وفضیلت کے اِظہار میں معجزے کی اَہمیت و اِفادیّت کیا ہے؟ نبی اور رسول کی بعثت کا مقصد کائناتِ انسانی کی رُشد و ہدایت اور خیر و فلاح ہوتا ہے۔ اَنبیاء و رُسل وحیِ اِلٰہی کے ذرِیعہ ہدایاتِ خداوندی وُصول کر کے اپنے فرائضِ منصبی اَدا کرتے ہیں اور علم و برہان اور محبتِ حق کے ذرِیعہ اللہ کی وحدانیّت اور اپنے مِشن کی صداقت و حقّانیت کا یقین دلاتے ہیں۔ وہ ہرگز ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ فطرت اور ماورائے فطرت اُمور میں تصرّف اور تغیر کی مُستقل بالذّات قدرت رکھتے ہیں۔ یہ معجزات خدائے دو جہاں کی قدرتِ کاملہ کے مظہر ہوتے ہیں۔ انبیاء بارہا یہ اِعلان کرتے ہیں کہ وہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے بشیر و نذیر اور داعی اِلَی اللہ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

تاریخِ اِنسانی گواہ ہے کہ جب اللہ کا نبی یا اُس کا رسول اپنی نبوّت کا اِعلان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ منصبِ نبوت یا منصبِ رسالت پر مامور مِن اللہ ہے، یعنی یہ منصب اُسے ربِّ کائنات نے عطا کیا ہے تو اُس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ منصب اُسے عِبادات و مجاہدات اور نیک اَفعال و اَعمال کے صلے میں عطا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ منصب محض عطائے اِلٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ نبی یا رسول اُس عظیم

منصب پر فائز ہوکر اِنسانوں کی رَہنمائی کا فریضہ سر اِنجام دیتا ہے اور اِنسان کے مقصدِ تخلیق کا اِحیاء کرتا ہے، فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کرتا ہے اور اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ معاشرے میں آسمانی ہدایت کے نِفاذ کی بھرپور سعی کرتا ہے، اپنی جدّوجہد کو نتیجہ خیز بناتا ہے اور کرۂ ارضی پر پُراَمن معاشرے کے قیام کے بعد اُس کی کامیابی کو ہدایتِ آسمانی کی روشنی میں اپنا راستہ متعین کرنے سے مشروط کرتا ہے۔

ضرورتِ معجزہ

۱۔ اِنسانی ذِہن اِس طرف متوجہ ہوسکتا ہے کہ اگر اُس نبی یا رسول کا دعوئ نبوّت و رِسالت صحت پر مبنی ہے تو اُس نبی یا رسول کو اللہ کے حضور یقیناً ایسا مقامِ قُرب حاصل ہو گا جو عام اِنسانوں کو میسّر نہیں ہوسکتا۔

۲۔ تاریخ شاہد عادل ہے کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی دَعوت و تبلیغ سے باطل کے اَیوان لرز اُٹھتے اور فرسودہ نظام کی دِیواروں میں دراڑیں پڑ جاتیں، ظالمانہ رسم و رواج اور عقائدِ باطلہ کے خلاف صدائے اِحتجاج بلند کرنا اور پھر باطل کے ہر نشان کو مِٹانے کے لئے عملاً میدانِ کارزار میں سینہ سپر ہونا اور اپنے وقت کی باطل اِستحصالی قوّتوں کو للکارنا اُن برگزیدہ ہستیوں کے کارِنبوّت میں سرِفہرست رہا ہے۔

۳۔ ذہنِ اِنسانی میں اُبھرنے والے اَن گنت شکوک و شبہات کا اِزالہ معجزے کے ظہور سے ہوتا ہے۔ یہ اللہ اور اُس کے نبی کے درمیان ایک رُوحانی واسطہ اور رابطہ کی علامت بھی ہے۔ اللہ کے نبیوں اور رسولوں سے ماورائے فِطرت اور خارقِ عادت اُمور کا صدُور اُن کے دعوئ نبوّت کا ثبوت بھی ہے۔ معجزات دراصل قربِ اِلٰہی کی نشانی اور تائیدِ غیبی کے مظہر ہوتے ہیں۔

۴۔ اَنبوہِ اَولادِ آدم میں ایسے گروہ اور طبقات بھی ہوتے ہیں جو خود بھی نشۂ اِقتدار وقوّت میں مُبتلا ہوتے ہیں اور زبان بھی اِقتدار اور قوّت ہی کی سمجھتے ہیں۔ اُن پر کوئی اَمرِ حق اُس وقت تک مؤثر نہیں ہوتا جب تک اُن کے تکبّر اور رعونت کو غیبی ٹھوکر سے جگایا نہ جائے اور اُن کے شعور کو فطرت کے جلال و جمال کے مظاہروں سے بیدار نہ کیا جائے۔ وہ اِس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر کے دستِ حق پرست پر کوئی اَیسا معجزہ صادِر ہو یا عقل کو عاجز کر دینے والے اَیسے اَمر کا ظہور ہو جس کے بعد اُس پیغمبر کی صداقت اور حقّانیت کو جھٹلانے کا اُن کے پاس کوئی جواز باقی نہ رہے اور اُن کو یقین ہو جائے کہ وہ واقعی اللہ کے پیغمبر ہیں اور ربّ کائنات نے بغیر اَسباب وعِلل کے اُنہیں یہ عظیم معجزہ عطا فرمایا ہے۔ وہ قادرِ مطلق یقیناً ہر لمحہ اپنے نبی کی دستگیری کر رہا ہے۔ اُس نبی کو اپنے خالق کی ہر آن تائیدِ غیبی حاصل ہے۔

دعوائے نبوت اور معجزہ کا باہمی تعلق

متکلمین نے دعویٰ نبوّت اور معجزہ کے مابین تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے یہ مثال بیان کی ہے کہ جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے اُسے اپنا نائب مقرّر کر کے بھیجا ہے تو اُس علاقے کے لوگ قدرتی طور پر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ مُدّعیٔ نیابت اپنے دعویٰ کی صداقت میں کوئی سند یا علامت پیش کرے، اُنہیں شاہی فرمان دِکھائے تاکہ وہ مطمئن ہو کر اُسے اپنا حاکم تسلیم کر لیں۔ اُس کی حاکمیّت کو تسلیم کرنا دراصل بادشاہ کی حاکمیّت کے سامنے گردن جُھکانا ہے، جس کا وہ نمائندہ ہوتا۔ کسی نبی یا رسول پر اِیمان لانا یا اُس کے دستِ حق پرست سے کسی معجزے کو رُونما ہوتے دیکھ کر اُس کی صداقت پر اِیمان لانا دراصل اُس قادرِ مطلق کی توحید پر اِیمان لانا ہے جس کی قدرتِ کاملہ سے اُس نبی سے یہ معجزہ صادِر ہو رہا ہے۔ یا یوں کہئے کہ مُدّعیٔ نیابت ایک

طرف لوگوں کو اگر اپنی سند دِکھاتا ہے تو دُوسری طرف اُنہیں اپنی کسی خاص نشانی کا مُشاہدہ بھی کراتا ہے تاکہ دیکھنے والی آنکھ کو یہ یقین حاصل ہو جائے کہ یہ شاہی نشانی بادشاہ کی توثیق کی مظہر ہے۔ بادشاہ کی اَنگشتری (مہرِ حکومت) اُس شخص کو مل سکتی ہے جس کو بادشاہ اپنی نیابت کے اِعزاز سے سرفراز کرے۔

معجزہ اُس عظیم ہستی کے ہاتھوں سے صادِر ہوتا ہے جسے منصبِ نبوّت و رِسالت پر فائز کیا گیا ہو۔ معجزہ کا صدُور اللہ کے نبی اور رسول ہی سے ممکن ہے۔ معجزہ کسی غیرِ نبی سے صادِر نہیں ہوتا۔ معجزہ **''آیتِ اِلٰہی''** ہوتا ہے اور اللہ تبارک وتعالٰی کی قدرتِ مطلقہ کا آئینہ دار ہوتا ہے اور اُس کا ظہور اُسی پروردگار کے اِذن سے اَنبیاء و رُسل سے صادِر ہوتا ہے۔ اُن سے معجزے کا مطالبہ یا تو تلاشِ حق کے لئے ہوتا ہے کہ معجزے کا ظہور دیکھ کر دولتِ اِیمان نصیب ہو یا پھر یہ مطالبہ محض تعصّب، حسد اور بُغض کی بناء پر ہوتا ہے تاکہ مُنحرفین اور مُنکرین بزعمِ خویش معجزے کی عدم دستیابی کی صورت میں اللہ کے برگزیدہ رسول کو جُھٹلا سکیں، یہی وجہ ہے کہ صدورِ معجزہ کی صورت میں معجزہ دیکھ کر بھی وہ اِیمان کی روشنی سے محروم رہتے ہیں۔ اُن کے تعصّب، حسد اور بُغض میں اِنکار کا مزید عنصر داخل ہو جاتا ہے اور اُن کے دِلوں پر قُفل پڑ جاتے ہیں جبکہ سعید رُوحیں معجزے کو دیکھ کر پُکار اُٹھتی ہیں:

اٰمَنَّا بِرَبِّ هَارُوْنَ وَ مُوْسٰی۔ (طٰہٰ، ۲۰:۷۰)

ہم ہارون اور موسیٰ کے ربّ پر اِیمان لے آئے۔

اس کے برعکس بد بخت اور دولتِ اِیمان و اِیقان سے محروم رُوحیں عِناد و دُشمنی کی تارِیکی میں ڈوب کر کہتی ہیں:

إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌO — یہ صریح جادو کے سِوا (کچھ) نہیں o

(الانعام، ۶:۷)

عقل والے سوچتے رہ جاتے ہیں اور عشق والے جُھک کر اَوجِ ثریا کو پا لیتے ہیں اور بامِ فلک کو چھو لیتے ہیں۔ اِقرارِ نبوّت بذاتِ خود ایک بہت بڑا اِعزاز ہے، اِس اِقرار کے سامنے سب اِقرار ہیچ ہیں کیونکہ اِس اِقرار کی بدولت دِین بھی ملتا ہے اور دُنیا بھی، توحید کی دولت بھی مقدّر بنتی ہے اور رِسالت کی ثروت بھی نصیب ہوتی ہے۔

فصل سوم

معجزہ اور عالمِ اَسباب

لفظِ معجزہ کی ماہیّت، ضرورت و اہمیّت اور حقیقت کا جائزہ لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ عالمِ اَسباب کے حوالے سے اِنسانی زِندگی کا کائناتی مطالعہ کرنے والے اَربابِ علم و دانش کے نزدیک ظہورِ معجزہ کی کیا حیثیت ہے اور زِندگی کے اِرتقائی سفر میں معجزہ اِعتقادی حوالوں کو کس طرح قوّتِ اِیمانی سے ہمکنار کرتا ہے! یہ بات ذِہن نشین رہنی چاہئے کہ معجزہ عالمِ اَسباب کے تابع نہیں ہوتا اور نہ یہ اَسباب وعِلل کے بندھے ٹکے نظام کے تحت واقع ہوتا ہے بلکہ معجزہ کا صدُور اِن اَسباب وعِلل اور معمول کے نِظام کے برعکس ہوتا ہے۔ گویا معجزے کا وُقوع پذیر ہونا اَسباب وعِلل کا مرہونِ منّت ہوتا ہے اور نہ یہ معمول کے نِظام کے مطابق اَنبیائے کرام کے دستِ حق پرست سے ظہور میں آتا ہے۔ اَسباب وعِلل کا نظام کوئی اَٹل اور ناقابلِ منسوخ ضابطہ نہیں ہے۔ یہ تو باری تعالیٰ کی عادتِ جاریہ کا مظہر ہے۔ اِن اَسباب وعِلل کی حقیقت فقط اِتنی ہے کہ یہ اللہ ربّ العزّت کے اِرادے اور مشیّت کے مختلف مظاہر ہیں اور اُس کی قدرتِ کاملہ کے شواہد ہیں۔ خالقِ کائنات نظامِ ہستی کو ایک خاص طریقے سے چلا رہا ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اُس کے حکم کا پابند ہے اور وہ خود کسی حوالے سے بھی کسی اَمر کا پابند نہیں کیونکہ وہ ہر چیز پر قادِر ہے، ہر چیز کا خالق ہے، ہر چیز کا مالک ہے، وہ ربُّ العالمین ہے۔ مولائے روم نے اِس حقیقت کی طرف یوں اِشارہ کیا ہے:

ے بیشتر اَحوال بَر سُنّت رَوَد
گاہ قُدرت خارقِ سُنّت شَوَد

دُنیا کے زیادہ تر واقعات اُنہی عاداتِ جاریہ کے مطابق ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی قدرتِ اِلٰہیہ اِس قانون کو توڑ کر اَپنی حاکمیّت کاملہ کا اِظہار بھی کرتی ہے۔

اَسباب و عِلل کا سائنسی حوالوں سے مطالعہ کرنے والے اَربابِ دانش و تحقیق جانتے ہیں کہ نظامِ ہستی ایک ضابطے اور اُصول کے تحت چل رہا ہے، لیکن بعض اَوقات قدرت اِن عام ضابطوں اور اُصولوں کے برخلاف اپنی مخلوقات کے لئے زِندگی کے راستوں کو آسان بھی بناتی ہے۔ ایسے میں ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آخر وہ کون ہے جس کے اِشارے پر عناصرِ فطرت اپنے فطری خواص کے برعکس کام کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً: سائنس کا ایک مسلّمہ اُصول ہے کہ حرارت سے چیزیں پھیلتی ہیں اور سردی سے سکڑتی ہیں، لیکن سمندروں کے پانی کا درجۂ حرارت جب نقطۂ اِنجماد کی طرف آتا ہے تو برف بن کر سُکڑنے کی بجائے پھیل جاتا ہے۔ اگر پانی عام معمولات کے مطابق یہاں بھی برف بنتے ہوئے سُکڑ جائے تو سطحِ سمندر پر تیرنے والی برف کثیف ہو کر تہہ میں جا بیٹھے اور سُمندری مخلوقات نیچے دب کر آناً فاناً موت کی وادی میں چلی جائیں۔ قادرِ مطلق کو چونکہ اپنی اِن مخلوقات کی حیات مقصود ہے، اِس لئے یہاں فطرت کے عام اُصولوں سے اِختلاف کی راہ نکالی گئی اور پانی کو حکم دیا گیا کہ وہ ٹمپریچر کی کمی کی صورت میں 4° سینٹی گریڈ تک سکڑتا رہے مگر جونہی اُس کے مالیکیولز کا درجۂ حرارت 4° سینٹی گریڈ سے مزید گرتے ہوئے نقطۂ اِنجماد کی طرف بڑھنے لگے، زیادہ یخ مالیکیولز آس پاس کے دِیگر کم سرد مالیکیولز کی نسبت پھیلنا شروع کر دیں، ان کی کثافت (Density) کم ہو جائے اور وہ نسبتاً ہلکے ہو کر سطحِ آب کی طرف تیر آئیں۔ اور اس طرح برف بننے کا عمل سطح سے تہہ کی طرف شروع ہو، تاکہ سمندروں کی مُنجمد سطح کے نیچے آبی مخلوقات اُس خدائے وحدہٗ لاشریک کی حِکمت سے زِندہ وسلامت رہیں۔

اَسباب و عِلل کی گرد میں پھنس جانے اور خارقُ العادت کو قبول نہ کرنے والوں کو یہ بات ذِہن نشین رکھنی چاہیئے کہ اِن اَسباب و عِلل کی ایک عِلۃُ العِلَل اور مُسبِّبُ الاَسباب ہستی بھی ہے، جس کے سامنے اِن اَسباب و عِلل کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ جب اُس قادرِ مطلق ہستی کا اِرادہ اور مشیّت ''کُنْ فَیَکُوْنَ'' کے ذریعہ غالب آ تا ہے تو پھر اَسباب و عِلل کے متوازی ایک الگ نظام وُجود میں آ تا ہے۔ اُسے برہان کا نام دیا جائے یا معجزات کا، لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ اُس خالقِ کائنات کی یہ شانِ تخلیق ہر لمحہ فروغ پذیر ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ وہ خدائے جبّار و قہّار کے اِرادہ و مشیّت کے بارے میں کوئی غلط تصوّر بھی اپنے ذِہن میں لا سکے۔

معجزہ......قوانینِ فطرت کے خرق کا نام

درج بالا بحث سے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ معجزے کا موازنہ اَسباب و عِلَل سے کرنا اور عادتِ جاریہ کی کسوٹی پر اُسے پرکھنا کسی بھی اِعتبار سے قرینِ قیاس نہیں۔ اِسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اَسباب و عِلَل اِس نظامِ کائنات میں جاری و ساری اَعمال اور اُن کے نتائج سے عِبارت ہیں جبکہ معجزہ اِس نظامِ کائنات کا ایک خصوصی عمل ہے جو اللہ کے نبی یا اُس کے رسول کے دستِ حق پرست پر اِذنِ اِلٰہی سے ظہور میں آتا ہے۔

ذِہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ یہ اَسباب و عِلَل کیا ہیں اور نظامِ حیات میں اُن کا مقام اور اہمیّت کیا ہے؟ یہ دراصل ہمارے مُشاہدات و تجربات ہیں۔ مثلاً ہم ایک چیز کو اپنے کسی خاص عمل سے متعدّد بار گزرتے دیکھتے ہیں اور پھر یقین کر لیتے ہیں کہ تمام چیزیں اَیسے ہی وُقوع پذیر ہوتی ہیں......یعنی ایک ضابطے اور اُصول کے تحت...... چونکہ وہ عمل بار بار ہمارے سامنے آتا ہے، اِس لئے وہ ہمارے شعور میں پُختہ ہوتا جاتا ہے۔ ہمیں ایک قطرۂ آب سے خون، خون سے گوشت اور پھر اُس میں رگیں،

پٹھے، ہڈیاں، دِل و دِماغ، جگر اور گُردوں کے پیدا ہونے، پھر اُس میں رُوح کی آمد، بعد ازاں ایک مدّتِ معیّنہ کے بعد ایک بچے کی صورت میں پیدا ہونے پر کوئی تعجّب نہیں ہوتا، حتیٰ کہ وہ بچہ اپنے بچپن اور لڑکپن کے مراحل سے گزر کر عالمِ شباب میں داخل ہوتا ہے، جوانی کی منزلیں طے کر کے اور بڑھاپے کی دہلیز سے گزر کر لحد کی تاریکیوں میں فنا ہو جاتا ہے لیکن ذہنِ اِنسانی ذرا بھی متعجب نہیں ہوتا، اِس لئے کہ یہ عمل معمول کا عمل ہے۔ ہم بار بار اِس عمل کا مُشاہدہ کرتے ہیں۔ اِسی طرح ایک چھوٹا سا جامد دانہ ایک تناور درخت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اُس پر پھول آتے ہیں، پھل آتا ہے، شاخوں پر شاداب ساعتیں بسیرا کرتی ہیں پھر وہ درخت سُوکھ جاتا ہے، پتے جھڑ جاتے ہیں اور وہ اِیندھن بن کر رزقِ زمین بن جاتا ہے لیکن ہم اُس پر اِظہارِ تعجب نہیں کرتے، اِس لئے کہ ہم اِس عمل کو متعدّد بار دیکھتے ہیں اور یہ عمل ہمارے شعور کا حصہ بن جاتا ہے۔ اِس کے برعکس اگر ایک بے جان لکڑی سانپ کی شکل اِختیار کر لے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوں، رات کے ایک اِنتہائی قلیل عرصے میں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ حرام سے مسجدِ اَقصیٰ تک اور پھر سِدرۃُ المنتہیٰ اور لامکاں سے ہو کر واپس آ جائیں تو ایسی صورت میں عقلِ اِنسانی کو اِن واقعات کی صداقت پر اِیمان لانے میں تامّل ہو گا اور وہ اِس سوچ میں پڑ جائے گی کہ ایسا کس طرح ممکن ہے! کیونکہ اِس سے پہلے ایسے واقعات مُشاہدے میں کبھی نہیں آئے۔

زِندگی کا یہ ایک عمومی دستور ہے کہ ایک چیز کو ہم بار بار دیکھتے ہیں تو وہ قصرِ اِیقان میں سما جاتی ہے۔ اِدراک و شعور اُس عمل کی تصدیق اور توثیق کرتے ہیں، لیکن جس چیز یا عمل کے بارے میں سنا ہو اور نہ اُسے روزمرّہ زِندگی میں دیکھا ہو تو جب وہ چیز یا عمل ہمارے مُشاہدے میں آتا ہے تو قُدرتی طور پر اُس عمل کو دیکھ کر ہم تصویرِ حیرت

بن جاتے ہیں اور تذبذب کے عالم میں اُس عمل سے اِنکار کر دیتے ہیں حالانکہ قصور ہمارے مُشاہدے اور تجربے کا ہوتا ہے۔ اگر ایک چیز ہمارے مُشاہدے یا تجربے میں نہیں آتی تو اِس سے اُس چیز کا وُقوع یا عدم وُقوع کیسے لازم آ سکتا ہے؟ معجزے کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اُس کی توجیہہ وتعلیل عام تجربات کی دسترس اور گرفت سے باہر ہوتی ہے۔ اِنسانی عقل اُس کا اِحاطہ نہیں کرسکتی۔ اِس لمحۂ اِستعجاب کو اِدراک وشعور اپنی گرفت میں لینے میں ناکام رہتے ہیں، اِس لئے کہ معجزہ قوانینِ فطرت کے خرق کا نام ہے۔ یہ اِنسانی زندگی کے روزمرّہ کے مُشاہدات وتجربات کے برعکس ہوتا ہے، ایسا اِس لئے ہے کہ ہمارے تجربات و مشاہدات کی بنیاد قوانینِ فطرت پر ہوتی ہے جبکہ معجزہ قوانینِ فطرت کے تابع نہیں ہوتا بلکہ اُن کے برعکس اور خِلاف ہوتا ہے۔ قوانینِ فطرت کے مطابق ایک آدمی مر جائے تو دوبارہ زِندہ نہیں ہوتا اور اگر دوبارہ زِندہ ہو جائے تو یہ قوانینِ فطرت کے برعکس ہوگا۔ قوانینِ فطرت کے برعکس ہونا ہی معجزہ ہے۔ اس کا وُقوع قلیل اور صدُور اَنبیاء ورُسل سے ہوتا ہے۔ عقلِ اِنسانی جسے تماثیل اور تائیدِ مسلسل کے ذریعہ کسی واقعہ، عمل یا چیز کے وُجود کا یقین آ تا ہے، اور مُسلسل ایک جیسے عمل سے ایک جیسا نتیجہ پیدا ہونے کے بعد اُسے قوانینِ فطرت میں داخل کرتی ہے...... معجزے کے معاملہ میں وہ ایسا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ قوانینِ فطرت کے اَٹل اور قطعی ہونے کے نظریئے کو اَب جدید سائنس بھی ردّ کر چکی ہے۔ اِسلئے فکری اور نظری مباحث میں اُلجھے بغیر ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ قوانینِ فطرت کی اَصلیّت قانونِ عادت کی ہے جسے مذہبی نقطۂ نظر سے ہم ’’فطرۃ اللہ‘‘ کہتے ہیں۔

معجزہ......قدرتِ اِلٰہیہ

ہر آن پھیلتی اور تغیر پذیر کائنات میں ہر طرف مادّے کی رنگا رنگ صورت

پذیری نظر آتی ہے۔ اِمکانات کی ایک نہیں اَن گنت دنیائیں آباد ہیں۔ نظامِ اَسباب و عِلل پوری کائنات پر محیط ہے۔ کارخانۂ قدرت میں ہر سیارہ، ہر ستارہ اور ہر کہکشاں کائناتی اُصولوں اور ضابطوں کی پابند ہے۔ کبھی کبھی اُس پابندی سے اِنحراف کی راہیں بھی نکلتی ہیں اور کائنات کے خالق کے وُجود کی گواہی دیتی ہیں۔ نظامِ اَسباب وعِلل اور اَنبیاء کے معجزات دونوں دَرحقیقت اللہ ربّ العزّت کی مَشیّت و اِرادے کے مظہر ہیں۔ قرآن نے اِس نظامِ اَسباب و عِلل کو کھول کھول کر بیان کیا ہے اور سائنسی اِنکشافات کی وضاحتاً اور صراحتاً نشاندہی کی ہے۔ مثلاً متعدّد مقامات پر فرمایا کہ آسمان سے برسنے والی بارِش، زمین سے اُگنے والی فصلوں، شاخوں پر آنے والے پھولوں اور پھلوں کے پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ۔	اور آسمانوں کی طرف سے پانی برسایا پھر اُس کے ذرِیعے تمہارے کھانے کے لئے (اَنواع و اَقسام) کے پھل پیدا کئے۔
(البقرہ، ۲:۲۲)	

آج کا اِنسان خلا کی وُسعتوں میں زِندگی کے اِمکانات کا متلاشی ہے۔ اِس سلسلے میں وہ سب سے پہلے کسی سیارے پر پانی کے وُجود کی تلاش میں ہے کیونکہ جہاں پانی ہوگا وہاں ہوا بھی ہوگی اور وہاں زِندگی کے کسی نہ کسی شکل میں موجود ہونے کے اِمکانات بڑھ جاتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

وَ اللهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ۔	اور اللہ نے ہر چلنے پھرنے والے (جاندار) کی پیدائش (کی کیمیائی اِبتداء) پانی سے فرمائی۔
(النور، ۲۴:۴۵)	

پانی کے بغیر زِندگی کا کوئی تصوّر ممکن نہیں، پانی زندگی کی علامت ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ (الانبیاء، ۲۱:۳۰)

اور ہم نے (زمین پر) ہر زِندہ چیز (کی زِندگی) کی نمود پانی سے کی۔

یہ کرۂ ارضی ایک بہت بڑی خِلعتِ سبز میں لپٹا ہوا ہے۔ ہر قدم شاداب ساعتوں نے پڑاؤ ڈال رکھے ہیں۔ ہر طرف سبزے کی چادر بچھی ہوئی ہے، لہلہاتی فصلیں کھڑی ہیں، وسیع و عریض علاقوں پر جنگلات پھیلے ہوئے ہیں یعنی اِس دُنیا میں نباتات کی الگ دُنیا قائم ہے۔ نباتی زِندگی کا آغاز بھی پانی ہی سے ہوا۔ اِرشاد فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ۔ (الانعام، ۶:۹۹)

اور وُہی ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی اُتارا۔ پھر ہم نے اُس (بارِش) سے ہر قسم کی رُوئیدگی نکالی۔

قرآن میں صراحت کے ساتھ عناصرِ فطرت اور کارکنانِ قضاوقدر کی برہمی کا ذِکر کیا گیا ہے اور اَجزاء کے پریشان ہونے کو موت کی علامت قرار دِیا گیا ہے کہ بادِ صرصر اور آندھیاں اپنے ساتھ تباہی، بربادی اور ہلاکت کو لے کر چلتی ہیں۔ یہ سب نظامِ ہستی ایک عالمِ اَسباب کے تحت لگا بندھا ہے:

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔

پھر ہم نے اُن پر زور کی آندھی (اُن کے) نحوست کے دِنوں میں بھیجی (یعنی وہ دِن اُن کے حق میں منحوس

(حم السجدہ، ۴۱:۱۶)

ثابت ہوئے) تاکہ ہم اُنہیں دُنیا میں رُسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں۔

سورۂ اَحقاف میں فرمایا:

رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ أَلِيْمٌO تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا۔

(الاحقاف، ۴۶:۲۴، ۲۵)

(یہ وہ) آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے O (یہ آئے گی اور) ہر شئے کو اپنے ربّ کے حکم سے اُکھاڑ پھینکے گی۔

سورۃ الذّاریات میں فرمایا:

إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَO مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِO

(الذّاریات، ۵۱:۴۱، ۴۲)

جب ہم نے اُن پر خیر سے خالی آندھی چلائیO (وہ) جس چیز پر گزرتی اُسے ریزہ ریزہ کئے بغیر نہ چھوڑتیO

اِس وسیع و عریض کائنات میں آگ بھی ایک بہت بڑی قوّت ہے۔ آگ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ منہ زور آندھیوں اور بپھری ہوئی سمندری موجوں کی طرح آگ اور حرارت جہاں زِندگی کی علامت ہے وہاں بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوتی ہے:

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ۔

(المومنون، ۲۳:۱۰۴)

اُن کے چہروں کو آگ جھلس دے گی۔

آگ عموماً لکڑی سے پیدا ہوتی ہے اور لکڑی درختوں کی صورت میں زمین کی عطا ہے:

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَاراً۔

وُہی ہے جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کی۔

(یٰسین، ٣٦:٨٠)

اِس نظامِ اَسباب و عِلل کے تحت قرآن نے مختلف اَشیاء کے طبعی خواص کا بھی ذِکر کیا ہے اور اُن خواص سے پیدا ہونے والے مفید نتائج کو بیان فرمایا ہے۔ مثلاً شہد میں صحت بخشنے اور بیماری دُور کرنے کی خاصیت ہے:

یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِلنَّاسِ۔

(النحل، ١٦:٦٩)

اُن کے شِکموں سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے، (وہ شہد ہے) جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں۔ اُس میں لوگوں کے لئے شِفاء ہے۔

پانی کی بھی خاصیّت بیان فرمائی کہ وہ پیاس بجھانے اور درخت اُگانے کے خواص رکھتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَ مِنْهُ شَجَرٌ۔

(النحل، ١٦:١٠)

وُہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان کی جانب سے پانی اُتارا، اُس میں سے (کچھ) پینے کا ہے اور اُسی میں سے (کچھ) شجرکاری کا ہے۔

اِسی طرح قرآن نے فرمایا کہ اُون میں گرمی کی خاصیت پائی جاتی ہے:

فِیْهَا دِفْءٌ۔

اُن میں تمہارے لئے گرم لباس ہے۔

(النحل، ١٦:٥)

ہماری یہ دُنیائے رنگ و بو اَسباب و عِلل کے وسیع حصارِ دِلنواز میں آباد ہے۔ مادّہ اپنی تمام تر رَعنائیوں کے ساتھ ہر طرف جلوہ گر ہے اور اپنے خالق کی حمد میں

مصروف ہے۔ مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ اِسی نظامِ اَسباب وعِلل پر صریح دلیل ہیں اور اللہ ربّ العزّت کی ربوبیت اور اُلوہیت کا اِعلان کر رہی ہیں۔ یہاں ایک بات قابلِ توجہ ہے، مذکورہ بالا آیاتِ ربانی کے سیاق وسباق اور اُن کے نفسِ مضمون سے یہ چیز بخوبی آشکار ہو رہی ہے کہ اُن سب میں فعل کی نسبت خالقِ اَرض وسماوات نے خود اپنی طرف کی ہے کہ اِس نظامِ اَسباب وعِلل اور مختلف اَشیاء کے خواص کا ظہور ہماری مشیّت و اِرادہ اور حکم واَمر سے ہو رہا ہے۔ یہ اِس لئے کہ کہیں اِنسان ظاہری عِلل و اَسباب دیکھ کر اور اَشیاء کے خواص کا مُشاہدہ کر کے علّتِ حقیقی کا اِنکار نہ کر دے اور اُن کو مُستقل بالذّات تسلیم کر کے کہیں شِرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور یوں ہر چیز کھول کھول کر بیان کر دی گئی، تعلیماتِ قرآنیہ کا یہی اِمتیاز ہے کہ یہ تشکیک واِبہام سے پاک ہوتی ہے۔

اَنبیائے کرام اور اَولیائے عِظام بھی بسا اَوقات عادتِ جاریہ اور ظاہری اَسباب وعِلل کے خِلاف اُمور کے وُقوع پر اِستعجاب کا اَظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر باری تعالیٰ اُن کے اِستعجاب کو اپنی قدرتِ مطلقہ اور مشیت سے دُور کر دیتا ہے۔

حضرت سارہ علیہا السلام کو جب بڑھاپے میں حضرت اِسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو وہ حیران رہ گئیں۔ اُنہوں نے اِس پر تعجب اور حیرت کا اِظہار کرتے ہوئے فرمایا:

يٰوَيْلَتٰىٓ ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ط اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ O	وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی، حالانکہ میں بوڑھی (ہو چکی ہوں) اور میرے شوہر (بھی) بوڑھے ہیں۔ بیشک یہ تو بڑی عجیب چیز ہے O
(ھود، ۱۱:۷۲)	

بشارت دینے والے ملائکہ نے جواب میں کہا:

أَتَعْجَبِيْنَ مِنْ أَمْرِ اللهِ۔ کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کر رہی ہو۔

(ھود، ۱۱:۷۳)

اللہ تو قادرِ مطلق ہے۔ وہ جس اَمر کا اِرادہ کرتا ہے...... ہو جاتا ہے۔ پھر اُس کی قدرتِ کاملہ پر تعجب کیسا! ہاں عالمِ اَسباب وعِلل میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ بڑھاپے میں میاں بیوی دونوں جسمانی اِعتبار سے کمزور ہو جاتے ہیں اور اَولاد کی اُمید ناپید ہو جاتی ہے، مگر اللہ ربّ العزّت کی قدرتِ مطلقہ سے کچھ بھی بعید نہیں۔ کارکنانِ قضا وقدر اُس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں۔ فرشتوں کے جواب سے حضرت سارہ علیہا السلام مطمئن ہو گئیں کہ یہ سب کچھ خالقِ روز وشب کے اَمر سے ہو گا۔

اِسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل ضعیف ہو چکے تھے۔ اُن کی زوجۂ مطہرہ بانجھ پن کا شکار تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو اِس صورتحال سے بخوبی آگاہی تھی کہ اُن کی زوجۂ مطہرہ اَولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ ظاہری عدمِ اِستعداد اور اَسباب وعِلل کے موجود نہ ہونے کے باوجود وہ قدرتِ اِلٰہی اور مشیتِ اَیزدی پر کامل یقین رکھتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں اپنے وارِث کے لئے عرض پرداز ہوتے ہیں۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام کو اِجابتِ دُعا کی بشارت دی جاتی ہے تو وہ بتقاضائے بشریت ظاہری اَسباب وعِلل کے فقدان کو دیکھتے ہوئے تعجب کا اِظہار فرماتے ہیں۔ اَیسا ہونا اُنہیں عجیب سا لگتا ہے:

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَّ كَانَتِ امْرَأَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ

اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے درآنحالیکہ میری بیوی

الْكِبَرِ عِتِيًّاO (مریم،۱۹:۸)

بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کے باعث (اِنتہائی ضعف میں) سُوکھ جانے کی حالت کو پہنچ گیا ہوں o

بارگاہِ خداوندی سے حضرت زکریا علیہ السلام کے اِس اِستعجاب اور حیرانی پر جواب آتا ہے:

قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْأً۔ (مریم،۱۹:۹)

فرمایا: ''(تعجب نہ کرو) ایسے ہی ہوگا تمہارے ربّ نے فرمایا ہے کہ یہ (لڑکا پیدا کرنا) مجھ پر آسان ہے اور بیشک میں اِس سے پہلے تمہیں بھی پیدا کر چکا ہوں، اُس حالت سے کہ تم (سرے سے) کوئی چیز ہی نہ تھے۔

بندے کی کیا مجال کہ اپنے ربّ کی قدرتِ مطلقہ کے بارے میں کوئی غلط تصوّر بھی ذِہن میں لائے یا غبارِ اِبہام میں تشکیک کی تصویریں سجائے۔ شکوک وشبہات کی گرد لوحِ دِل پر نقشِ اِیمان و اِیقان کی ہر تصویر کو مٹا دیتی ہے۔ آیتِ مذکورہ میں عدم سے وُجود میں آنے کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ اِستعجاب کیسا؟ حیرت کیسی؟ اے پیغمبر! ہم نے تمہیں بھی تو پیدا کیا ہے۔ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کے یہ کلمات ''قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ'' (تمہارے ربّ نے فرمایا کہ یہ مجھ پر آسان ہے) اِنتہائی قابلِ توجہ ہیں۔ اِن اَلفاظ سے جہاں اللہ ربّ العزّت کی قدرتِ کاملہ کا اِظہار ہوتا ہے وہاں اَسباب وعِلل کے نظام کے برعکس اُس کی مشیت کے تحت ہر چیز کی تخلیق ہوتی دِکھائی گئی ہے اور اِس طرح کہ ظاہراً کوئی علت ہے اور نہ کوئی سبب۔ پھر بھی اُس چیز کو وُجود عطا کیا جاتا ہے جو باری تعالیٰ کی قدرت علیٰ الاطلاق پر ایک دلیلِ ناطق

ہے۔قصرِ اِیمان واِیقان سے اِنحراف کا کوئی راستہ نہیں نکلتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وِلادت باسعادت بھی ایک معجزہ ہے۔ بِن باپ کے بچے کی پیدائش اللہ ربّ العزّت کی قدرتِ کاملہ کی مظہر ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو جب آپ کی پیدائش کی خوشخبری سنائی گئی تو اِنسانی فطرت کے عین مطابق اُنہوں نے اُس پر اِستعجاب کا اِظہار کیا کہ ظاہری اَسباب وعِلل کے بغیر اَیسا ہونا باعثِ تعجب اور معمول کے خِلاف ہے۔ قدرتی طور پر حضرت مریم علیہا السلام یہ اِطلاع پا کر تصویرِ حیرت بن گئیں لیکن حیرت کے اِس اِظہار میں قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ کے اِنکار کا شائبہ تک موجود نہیں:

قَالَتْ أَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ أَکُ بَغِیًّاO
(مریم،۱۹:۲۰)

(مریم نے) کہا: ’’میرے ہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ مجھے کسی اِنسان نے چُھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار ہوں‘‘O

حضرت مریم علیہا السلام کے اِستعجاب پر خوشخبری لے کر آنے والے فرشتے نے اُنہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَ لِنَجْعَلَهٗ آیَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا وَ کَانَ أَمْرًا مَّقْضِیًّاO
(مریم،۱۹:۲۱)

(جبرئیل نے) کہا: ’’(تعجب نہ کر) ایسے ہی ہوگا (کیونکہ) تیرے ربّ نے فرمایا ہے: یہ (کام) مجھ پر آسان ہے اور (یہ اِس لئے ہوگا) تاکہ ہم اِسے لوگوں کے لئے نشانی اور اپنی

جانب سے رحمت بنا دیں اور یہ اَمر
(پہلے سے) طے شدہ ہے'' o

گویا اُس عظیم معجزے کے ظہور سے بھی مقصود بندگانِ اِستعجاب و حیرت پر خالقِ کائنات کی قدرتِ کاملہ کو اِس طرح آشکار کرنا ہے کہ ذِہنِ اِنسانی پر جمی تشکیک کی دُھول دُھل جائے اور اِیمان و اِیقان کا چہرہ نکھر آئے۔ بندہ اِیمانِ کامل کی دَولت سے سرفراز ہو اور اللہ کی یہ نشانیاں دیکھ کر اُس کے اِعتقادات میں مزید پختگی پیدا ہو اور وہ دِل و جان سے تسلیم کر لے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ خدائے ذوالجلال کے حکم کا پابند ہے اور عناصرِ فطرت اُسی کی مشیّت کے تابع ہیں۔

معجزہ کا صدُور اِذنِ الٰہی سے ہوتا ہے

جب معجزہ قدرتِ اِلٰہیہ کا آئینہ دار ہے اور یقیناً ہے تو معجزہ کا صدُور بھی اِذنِ اِلٰہی سے ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ کا نبی یا اُس کا رسول جب چاہے اور جیسے چاہے اُس کے ہاتھ پر معجزات کا صدُور ہوتا جائے کیونکہ معجزہ کا سبب اور علّت براہِ راست باری تعالٰی کی مشیّت اور اِرادہ سے ہے۔ یہ اِرادہ اور مشیّت کبھی عادتِ جاریہ اور اَسباب و عِلل کے پردہ میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی مشیّتِ اِلٰہی اَسباب و عِلل کی بجائے کھلی نشانی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

پہلی صورت کی مِثال طوفانِ نوح ہے، قومِ ہود کے لئے آتش فشاں پھٹ پڑا اور تباہ کن زلزلے نے اُنہیں گھیر لیا، حضرت ایوب علیہ السلام چشمے کے پانی سے صحت یاب ہو گئے، قومِ صالح کے لئے آندھی آئی، مکہ میں خوفناک قحط پڑا، غزوۂ خندق کے موقع پر زبردست آندھی چلی۔ یہ تمام واقعات ظاہری اَسباب و عِلل کے خِلاف نہیں بلکہ اِرادہ و مشیتِ اِلٰہی سے اِن چیزوں کا ظہور ہوا تاکہ اللہ کے بندے علاماتِ حق سے آشنا

ہوں اور اُن کے اِیمان میں پختگی آئے۔

دُوسری صورت کی مثال مُردوں کا جی اُٹھنا، چاند کا دوٹکڑے ہو جانا، عصا کا سانپ بن جانا اور اَنگشتِ پیمبر سے پانی کے چشمے کا جاری ہو جانا ہے۔ اِن خلافِ معمول واقعات کی توجیہہ اَسباب وعِلل سے ممکن نہیں اور نہ عادتِ جاریہ کے مطابق اِن کی تفہیم ہوسکتی ہے۔ اِس لئے کہ اُن کی علّتِ غائی اللہ ربّ العزّت کی مشیّت اور اِرادہ کے سِوا کوئی اور چیز نہیں۔ تاریخِ اَنبیاء کے اَوراق اُلٹیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اَنبیاء علیہم السلام نے بھی اپنے معجزات کے حوالے سے یہی بتایا کہ اُن کے ہاتھ سے جو خلافِ معمول واقعات کا صدُور ہو رہا ہے وہ صرف اور صرف بارِی تعالیٰ کی قدرت، مشیّت اور اِذن سے ہی ہوتا ہے۔ معجزے کی حقیقی علّت اور سبب بھی یہی ہے اور یہی حقیقتِ معجزہ ہے۔ چنانچہ معجزے کے ظہور سے اِنکار اللہ ربّ العزّت کی قدرتِ مطلقہ کا اِنکار ٹھہرے گا اور اِیمان کا نور شرک کے اندھیروں اور مُنحرف چہروں کے جنگل میں کھو جائے گا۔

اِس ساری بحث سے ہم اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اِس کائناتِ رنگ و بو میں اَسباب وعِلل کا نظام اللہ ربّ العزّت کی عادتِ جاریہ کے تابع ہے مگر وہ کبھی کبھی کسی حکمت ومشیّت کے تحت اپنی عادتِ جاریہ کے برعکس بھی کسی چیز کا ظہور فرماتا ہے۔ اُسی ظہور کا نام معجزہ ہے۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ معجزہ اللہ کے نبی اور رسول کے اُس فعل کو کہتے ہیں جس کی توجیہہ اَسباب وعِلل سے ممکن نہ ہو اور عقلِ اِنسانی اُس حقیقت کا کامل اِدراک کرنے سے قاصر رہے۔

فصل چہارم

معجزہ......لازمۂ نبوّت

معجزات کے ظہور سے اَنبیاء کی حاکمیّت وتصرّفات کو اُجاگر کرنا اور شکوک وشبہات کی گرد میں اَٹے ہوئے اَذہان کو نورِ اِیمان سے منوّر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ معجزات اللہ ربّ العزّت کی قدرتِ کاملہ کا پرتو ہوتے ہیں۔ ہدایتِ آسمانی کی روشنی میں اللہ اپنے بندوں کو صراطِ مُستقیم دِکھاتا ہے اور ہر حوالے سے اپنے بندوں کی دِلجوئی و دستگیری اور رَہنمائی فرماتا ہے۔ اگرچہ نبی کو ہدایتِ آسمانی کی حقّانیت ثابت کرنے کے لئے محیرالعقول واقعات کی حاجت نہیں ہوتی تاہم اہلِ اِیمان کے اِیمان کی پختگی کے لئے نبی اور رسول کے ہاتھ پر معجزات کا صدُور ہوتا ہے، تاکہ قصرِ اِیمان اور غبارِ تشکیک میں اِیمان اور تیقّن کے چراغ رَوشن ہوں اِس لئے کہ مقصدیت ہر حوالے سے تخلیقِ کائنات کا اَساسی رویہ قرار پاتی ہے۔ معجزات کے صدُور سے اَنبیاء کی تصدیق کے ساتھ ساتھ اِنسانی اَذہان میں اِس عقیدے کو پختہ کرنا ہوتا ہے کہ اِس کائناتِ رنگ و بو کا خالق ہر چیز پر قادِر ہے اور چونکہ معجزات عطائے ربی ہوتے ہیں اِس لئے اُن کا اِنکار خدائے دوجہاں کی قدرتِ کاملہ کا اِنکار ہے۔ قرآنِ حکیم اور اَحادیثِ نبوی ﷺ کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ باری تعالیٰ نے اِنسانوں کی رُشد و ہدایت کے لئے جتنے بھی اَنبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اُنہیں اپنے دعوئ نبوّت کی صداقت و حقّانیت کے لئے ظاہری و باطنی معجزات سے بھی نوازا۔ ظاہری معجزات وہ ہیں جو خرقِ عادت کی صورت میں گاہے گاہے رُونما ہوتے ہیں جبکہ باطنی معجزات وہ ہیں جو اللہ کے نبی کے اَخلاقِ حمیدہ اور اَوصافِ جلیلہ کے ساتھ اِرشاداتِ جمیلہ پر مُشتمل ہوتے ہیں۔ نبی کا کردار اور اُس کی شخصیت ہی معجزاتی جمال کا مظہر

ہوتی ہے۔ قرآن حضور رحمتِ عالم ﷺ کی سیرت و کردار کو تمام اِنسانیت کے لئے بالعموم اور اہلِ ایمان کے لئے بالخصوص اُسوۂ حسنہ سے تعبیر کرتا ہے اور رہتی دُنیا تک اِس مِینارۂ نور سے اِکتسابِ شعور کی تلقین کرتا ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔	بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (کی زِندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔

(الاحزاب، ۳۳:۲۱)

کردار کی روشنی کے ساتھ تمام اَنبیاء کو ظاہری معجزات کی خِلعتِ فاخرہ سے بھی نوازا گیا اور معجزہ لازمۂ نبوّت قرار پایا۔ قرآنی حوالوں سے چند ایک جلیل القدر اَنبیاء و رُسل کے معجزات کا ذِکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ **حضرت نوح علیہ السلام**

وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَنَّهُمْ مُغْرَقُوْنَO (هود، ۱۱:۳۷)	اور تم ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے (کوئی) بات نہ کرنا وہ ضرور غرق کئے جائیں گے o

۲۔ **حضرت ھود علیہ السلام**

وَ أَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ O سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍO	اور رہی (قومِ) عاد تو وہ ایک نہایت تندو تیز (اور) سخت ہوا سے تباہ کر دیئے گئے o جس کو اللہ نے سات رات اور آٹھ دِن تک متواتر مسلّط رکھا پھر (اے مخاطب! اگر) تو اُن لوگوں کو

(الحاقہ، ۶۹:۶، ۷)

اُس (آندھی) میں دیکھتا تو اُن کو اَیسا گِرا ہوا پاتا جیسے کھجور کے (بے حس و حرکت) کھوکھلے تنے (پڑے ہوتے ہیں)O

۳- حضرت صالح علیہ السلام

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌO

(الاعراف، ۷:۷۳)

یہ اللہ کی اُونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے، سو تم اِسے (آزاد) چھوڑے رکھنا کہ اللہ کی زمین میں چرتی رہے اور اِسے برائی (کے اِرادے) سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب آ پکڑیگاO

۴- حضرت ابراھیم علیہ السلام

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌO

(البقرہ، ۲:۲۶۰)

اِرشاد فرمایا سو تم چار پرندے پکڑ لو پھر اُنہیں اپنی طرف مانوس کرلو پھر (اُنہیں ذِبح کر کے) اُن کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو، پھر اُنہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور جان لو کہ یقیناً اللہ بڑا غالب، بڑی حکمت والا ہےO

۵- حضرت یوسف علیہ السلام

فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا، اُس نے وہ قمیض یعقوب علیہ السلام کے

لَكُمْ إِنِّىٓ أَعْلَمُ مِنَ اللهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○

(یوسف،۱۲:۹۶)

چہرے پر ڈال دی تو اُسی وقت اُن کی بینائی لوٹ آئی۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ بیشک میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے''○

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

فَأَلْقٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ○ وَ نَزَعَ يَدَهٗ فَإِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ○

(الاعراف،۷:۱۰۷،۱۰۸)

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا (نیچے) ڈال دیا تو اُسی وقت صریحاً اژدھا بن گیا○ اور اپنا ہاتھ (گریبان میں ڈال کر) نکالا تو وہ (بھی) اُسی وقت دیکھنے والوں کے لئے (چمکدار) سفید ہو گیا○

۷۔ حضرت داؤد علیہ السلام

وَ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ○

(الأنبياء،۲۱:۷۹)

اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں (تک) کو داؤد علیہ السلام کے (حکم کے) ساتھ پابند کر دیا تھا۔ وہ (سب اُن کے ساتھ مل کر) تسبیح پڑھتے تھے اور ہم ہی (یہ سب کچھ) کرنے والے تھے○

۸۔ حضرت سلیمان علیہ السلام

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِأَمْرِهٖ

پھر ہم نے (اُن کی اُس دعا کو قبول فرمایا

رُخَآءً حَيۡثُ أَصَابَ O

(ص، ۳۸:۳٦)

اور) ہوا کو اُن کا تابع (فرمان) کر دیا کہ وہ اُن کے حکم سے جہاں وہ جانا چاہتے نرم اَنداز سے چلتی O

۹۔ حضرت زکریا علیہ السلام

قَالَ رَبِّ أَنّٰى يَكُوۡنُ لِيۡ غُلَامٌ وَّ كَانَتِ امۡرَأَتِيۡ عَاقِرًا وَّ قَدۡ بَلَغۡتُ مِنَ الۡكِبَرِ عِتِيًّا O قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ۔

(مریم، ۱۹:۸،۹)

(زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا: ’’اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، درآنحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کے باعث (اِنتہائی ضعف میں) سُوکھ جانے کی حالت کو پہنچ گیا ہوں‘‘ O فرمایا: ’’(تعجب نہ کرو) ایسے ہی ہو گا، تمہارے ربّ نے فرمایا ہے: یہ (لڑکا پیدا کرنا) مجھ پر آسان ہے‘‘۔

۱۰۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

أَنِّيۡ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ أَنِّيۡ أَخۡلُقُ لَكُمۡ مِّنَ الطِّيۡنِ كَهَيۡئَةِ الطَّيۡرِ فَأَنۡفُخُ فِيۡهِ فَيَكُوۡنُ طَيۡرًا بِإِذۡنِ اللّٰهِ۔

(آل عمران، ۳:۴۹)

بیشک میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پتلا) بناتا ہوں...... پھر میں اُس میں پھونک مارتا ہوں...... سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اُڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے۔

١١- حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

سُبۡحَانَ الَّذِیۡ أَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلاً مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ إِلٰی الۡمَسۡجِدِ الۡأَقۡصٰی الَّذِیۡ بَارَکۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنۡ آیَاتِنَا إِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ O

(الاسراء، ١٧:١)

وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اُس) مسجدِ اَقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے، تاکہ ہم اُس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دِکھائیں۔ بیشک وُہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے O

خالقِ کون و مکاں نے اپنی آخری اِلہامی کتاب میں اُن معجزات کا ذِکر کیا ہے جن کا اُس کے اَنبیاء و رُسل کے ہاتھ پر ظہور ہوا۔ ان کے علاوہ بھی بعض ایسے انبیاء علیھم السلام کا ذِکر موجود ہے جن کے معجزات کے بارے میں قرآن خاموش ہے۔ مثلاً حضرت اِسحاق علیہ السلام، حضرت اِسماعیل علیہ السلام، حضرت ذوالکفل علیہ السلام اور حضرت اِلیاس علیہ السلام۔ اِن اَنبیاء کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں موجود ہے لیکن ان کے معجزات کا بیان درج نہیں۔ قرآن کی اِس خاموشی سے ہرگز ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اِن اَنبیاء علیھم السلام کو اللہ ربّ العزّت نے معجزات سے سرفراز نہیں کیا اور اُنہیں کسی بُرہان سے نہیں نوازا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیثِ مُبارکہ ہے کہ تاجدارِ کائنات حضور رحمتِ عالم ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

ما من الأنبیاء نبی إلّا أعطی من الآیات ما مثله أو من۔ أو أمن'

جملہ اَنبیائے کرام میں سے ہر نبی کو اُس (کے زمانے) کی مثل معجزات عطا کئے

علیہ البشر۔	گئے جس کے سبب اُس پر اِیمان لایا گیا یا لوگ اُس پر اِیمان لے آئے۔

۱۔ صحیح البخاری، ۲: ۱۰۸۰، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، رقم: ۶۸۴۶
۲۔ صحیح لمسلم، ۱: ۸۶، کتاب الایمان، رقم: ۲۳۹
۳۔ مسند احمد بن حنبل، ۲: ۳۴۱

اللہ ربّ العزّت نے اپنے اَنبیاء و رُسل میں سے ہر کسی کو معجزات کی خِلعتِ فاخرہ سے نوازا، باطنی معجزات کو اُن کے کردار اور شخصیت کا حصہ بنایا اور ظاہری معجزات کا صدُور اُن کے ہاتھ پر کیا۔ ہر نبی اور رسول کو اپنی دَعوت کے حوالے سے جس سطح کے معاندین اور مُنکرین کا سامنا تھا اُسی اِعتبار سے اہمیت کے حامل معجزات کا صدُور ہوا۔ زمانے اور علاقے کی آبادی کے اِعتقادی حوالوں اور ذِہنی اِستعداد کے مطابق معمولی اور غیر معمولی معجزات کا ظہور ہوتا رہا اور عقلِ اِنسانی اُنہیں اپنے اِحاطے میں لینے سے عاجز آتی رہی۔

باب دوم

اِثباتِ مُعجزہ
اور
جدید سائنسی تحقیقات

فصل اول:

اِثباتِ مُعجزہ اور عقلِ ناقص کا کردار

اِبتدائے آفرینش سے آج تک تاریخِ اِرتقائے اِنسانی اِس اَمر پر شاہد عادل ہے کہ اِس کرۂ اَرضی پر بسنے والی اَولادِ آدم نے مادّی اور رُوحانی دونوں دنیاؤں میں تحقیق و جستجو اور علم و عمل کے چراغوں کی روشنی میں حرفِ حق کی تلاش کا سفر ہمیشہ جاری رکھا ہے۔ ہر عہد کی اپنی ایک سچائی ہوتی ہے۔ ذہنِ اِنسانی ہر واقعہ اور ہر نظریہ کو اُس سچائی کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور قلب و نظر میں تیقّن کے چراغ جلا کر اِطمینان، سکون، اَمن، آسودگی اور عافیّت کے جواہر سے اپنے دامنِ آرزو کو سجاتا ہے۔ فاران کی چوٹیوں پر جب **ہر عہد کی دانش کا آفتابِ لازوال** طلوع ہوا تو دُنیا جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کی دبیز تہہ میں لپٹی ہوئی تھی، شعور و آگہی کی ہر کرن غبارِ تشکیک کے تارِیک سمندر کا رِزق بن چکی تھی۔ اگر کہیں تفکر کے چراغ روشن بھی تھے تو وہ بھی فلسفیانہ مُوشگافیوں اور عقلِ عیار کی مَن مانی تاوِیلات کی گرد میں کچھ اِس طرح سے اَٹے ہوئے تھے کہ زِندگی کے آئینہ خانے کا ہر عکس اپنی شناخت سے محروم ہو چکا تھا اور ہر طرف مقصدیت سے محروم بے چہرہ لوگ ہجوم در ہجوم جنگل کی خوفناک تارِیکی میں بھٹک رہے تھے۔

ظہورِ اِسلام کے وقت دُنیا سائنسی علوم سے یکسر نابلد تھی۔ یونانی فلسفہ ہی عقل کا معیار متصوّر ہوتا تھا۔ تفسیرِ حیاتِ اِنسانی فلسفے کی لوح پر رَقم تھی اور جملہ حقائق و واقعات کو فلسفے کے حوالے سے دیکھنے کا رواج تھا۔ چنانچہ اَوائل دَورِ اِسلام میں یونانی فلسفے سے متاثر سیرت نگار حضور ختمی مرتبت ﷺ کے مُعجزات کو فلسفے کی روشنی میں حق

ثابت کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دَورِ اِسلام کی اِبتدائی صدیوں میں مُعجزاتِ حضور ﷺ کے موضوع پر جتنا بھی علمی کام ہوا اُس کے پس منظر میں یہی فلسفیانہ توجیہات کارفرما تھیں۔

آج کا دَور سائنس کا دَور ہے، جس میں سائنٹیفک اپروچ (Scientific Approach) ہر تحقیق کا بنیادی وصف قرار پائی ہے۔ آج کا کم پڑھا لکھا سادہ اِنسان جو سائنسی علوم سے براہِ راست اِس قدر شغف نہیں رکھتا، وہ بھی کم از کم سائنسی طریقِ کار سے آگاہ ضرور ہے۔ اُس کے اِطمینانِ قلب کے لئے بھی سائنس کو کسوٹی بنا کر حقائق کو پرکھنے کا عمل جاری رکھنا ضروری ہے۔ جدید ذہن محض سنی سنائی بات پر یقین نہیں رکھتا۔ ہمارے عہد کے بچے بھی جگنو کی روشنی کو دِن کے اُجالوں میں پرکھنے کی ضد کرتے ہیں۔ شعور و اِدراک کی یہ منزل صحت مند سوچ کے اَیوان کا بنیادی پتھر ہے۔

ہر دَور کے بنیادی تقاضے مختلف ہوتے ہیں

عہدِ جدید کا ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ سائنسی بنیادوں پر کام کرنے سے نتائج کس طرح دُرست برآمد ہوتے ہیں۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے اِنسان سے مخاطب ہونے اور اُسے اِسلامی عقائد و تعلیمات سے رُوشناس کرانے کے لئے کہ وہ ان عقائد و تعلیمات کو اپنے روز و شب کا عنوان بنا لے، **''جدید علمِ کلام''** کی ضرورت ہے۔ موجودہ دَور **''صغریٰ''** اور **''کبریٰ''** کے مابین واقع **''حدِ اَوسط''** کو گرا کر **''نتیجے''** تک پہنچنے کا دَور نہیں بلکہ اِس دَور میں **تجربہ**، **مُشاہدہ**، **مفروضہ** اور پھر بارہا تجربات سے حاصل شدہ **تنظیمِ نتائج** کے ذریعے **''نظریئے''** تک پہنچنے کا اُسلوب، حقیقی عقلی اُسلوب کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہر عہد کے بنیادی تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔

سیدنا علیؓ کا فرمان ہے: ''اپنے بچوں کو وہ تعلیم نہ دو جو تمہارے والدین نے تمہیں دی تھی، کیونکہ اُن کا زمانہ تمہارے زمانے سے مختلف ہے''۔ یہ اِنتہائی ترقی پسندانہ رویّہ اِجتماعی سطح پر وُہی قومیں اپنا سکتی ہیں جو ستاروں پر کمندیں ڈالنے کے ہنر سے بہرہ ور ہوں اور جو آسمان کے کناروں سے نکل کر تسخیرِ کائنات کے سفر کو اپنا شِعار بنائیں۔

قرونِ وُسطیٰ میں یونانی فلسفے کی اِسلامی عقائد پر یلغار کے جواب میں اُس دَور کے علمائے کرام اور ائمۂ عظام نے علمِ کلام کو فروغ دیا اور اس کے ذرِیعے ثابت کیا کہ اِسلام ہی وہ سچا دِین ہے جو ہر شعبۂ زِندگی میں اِنقلاب آفریں تبدیلیوں کا متمنّی ہے۔ آج کے زوال پذیر دَور میں اگر ہم عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے آرزومند ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم قوموں کی اِمامت کا فریضہ سراِنجام دیں اور ہر دستارِفضیلت ہمارے برہنہ سروں کا مقدّر بنے تو ہمیں تبلیغِ دین اور فروغِ اِسلام کا سارا کام اَز سرِنو سائنسی بنیادوں پر مرتّب کرتے ہوئے ذہنِ جدید کو یہ باور کرانا ہوگا کہ بطور نظامِ حیات اِسلام کے نفاذ کے جتنے اِمکانات آج روشن ہیں شاید ماضی قریب میں اِس سے پہلے کبھی نہ تھے۔ ہمیں سائنسی بنیادوں پر اِسلام کی حقانیت کا پرچم بلند کرنا ہوگا۔ مُستشرقین کے بے تکے اِلزامات کا منہ بند کرنے کے لئے ...... فقط جذباتی سطح پر نہیں ...... عقلی اور فکری سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنا پس منظر اور پیش منظر روشنیوں سے تحریر کرنے کے لئے '**جدید علمِ کلام**' کو اَپنانا ہوگا تاکہ ہم سائنسی اَنداز فکر رکھنے والے آج کے جدید معاشروں کے ناآسودہ ذِہنوں کو آسودہ لمحوں کی بشارت دینے کا کارنامہ سرانجام دیتے ہوئے اُنہیں نظری اور فکری حوالوں سے یہ باور کرا سکیں کہ اِسلام ہی ہر دَور کے اِنسان کا فطری عقیدہ ہے، اور سکون سے محروم اِنسان کو اگر اَمن، عافیت اور آسودگی کی تلاش ہے تو اُسے دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ پر جھک جانا ہوگا کہ اِس دہلیز سے پھوٹنے والی روشنی کی ہر کرن مُعجزاتی تاثیر لئے ہوئے ہے جو اِنسان کے حال و قال دونوں کو لذّتِ آشنائی سے

ہمکنار کرنے کی صلاحیّت رکھتی ہے۔

مُعجزہ ایک اَزلی صداقت کا نام ہے

یہاں اِس اَمر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ فلسفہ و سائنس مُعجزے کی حقیقت کو حیطۂ شعور میں لانے میں ممدّ و معاوِن تو ثابت ہو سکتے ہیں اور اِیمان کی پختگی کا باعث بھی بن سکتے ہیں لیکن انہیں مُعجزات کی تفہیم کی اَساس یا کلید قرار نہیں دیا جا سکتا، اِس لئے کہ مُعجزات جو ربِ کائنات کی قدرتِ مطلقہ کا مظہر ہوتے ہیں کسی فلسفیانہ اور سائنسی توجیہہ کے محتاج نہیں ہوتے۔ مُعجزہ ایک اَزلی صداقت کا نام ہے۔ یہ بات بھی ذِہن نشین رہنی چاہیئے کہ مُعجزہ وہ حقیقت ہے جو عقلِ اِنسانی کی تمام تر پرواز سے بالاتر ہے۔ مُعجزہ خلافِ معمول اور خارِقِ عادت اَفعال میں سے ہے۔ اِس لئے کہ یہاں عقل مجبورِ محض ہو کر رہ جاتی ہے۔ تاجدارِ کائنات حضور رحمتِ عالم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات تو سراپا مُعجزہ ہے۔ وہ اِس لئے بھی کہ قرآن اگر مُعجزہ ہے...... اور یقیناً ہے...... تو صاحبِ قرآن کی حیاتِ مقدسہ کا اُسلوب بھی تمام مُعجزاتی کمالات کی تفسیر و تعبیر ہے۔ جس طرح آقائے نامدار ﷺ تمام نبیوں اور رسولوں کے جِلَو میں ممیّز و ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اور منصبِ اُولیٰ پر جلوہ اَفروز ہیں، بالکل اِسی طرح آپ ﷺ کا مُعجزاتی نظم بھی اَنبیائے ماسبق کے مُعجزات پر حاوِی ہے اور اَنبیاء کے گروہِ پاکباز اں کا کوئی فرد بھی نبوت کے خصائص و کمالات میں اور عظمتِ مُعجزات میں دُرِ یتیم، آمنہ کے لال ﷺ کا ہمسر نہیں۔

اِنسانی عقل کا عجز

عقل کو کسی مسئلہ کی تفہیم کے لئے ایک خاص طریقِ کار میں سے گزرنا ہوتا ہے

اور ایک خاص اُسلوب اپنانا ہوتا ہے۔ مثلاً جب تک کوئی چیز آنکھوں سے دکھائی نہ دے عقل اُس کے عدم اور وُجود میں اِمتیاز نہیں کرسکتی، زبان جب تک کسی چیز کو چکھ نہ لے عقل اُس کے ذائقے کی نوعیت کو پہچاننے سے معذور ہوتی ہے، ہاتھ جب تک کسی چیز کو چھو نہ لیں عقل اُس کی سختی یا نرمی کا تعین کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اِنسان کو اپنی عقل پر بڑا ناز ہے، بھولا بھٹکا اِنسان یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ جو چیز عقل کے حیطۂ اِدراک میں نہ آ سکے وہ حقیقت ہی نہیں۔ ذہنِ اِنسانی آج بھی غبارِ تشکیک کی تاریکیوں میں گم ہے۔

یہ دَورِ تشکیک نیا نہیں بلکہ آج سے تین ہزار سال پہلے بھی اس کرۂ ارضی پر ایسے ہی ایک دَور کا غلبہ ہوا تھا، جو تاریخ کا متمدّن دَور کہلاتا ہے۔ مادّی حوالے سے اِنسان ترقی کی کئی منازِل طے کر چکا تھا۔ جمہوری شعور اِنسانی سوچوں کا مرکز و محور بنا ہوا تھا۔ یونان کی فضائیں علم و ہنر کی روشنی سے معمور تھیں لیکن فکری اور روحانی طور پر بانجھ ساعتوں کا قافلہ بھی زمین پر اُتر آیا تھا۔ فلاسفۂ یونان نے اپنی سوچ اور فہم و اِدراک کی تاریخ کا آغاز بھی اِسی نکتے سے کیا تھا کہ جس بات کا اِدراک عقل کرے وہ حقیقت، باقی سب فسانہ۔ فلسفہ کی تاریخ میں اُس دَور کو **’دَورِ اوّلیت‘** کہا جاتا ہے۔

یونانی فلاسفرز کے نزدیک کسی بھی چیز کی حقیقت کو جاننے کا ذریعہ محض عقل ہی ہے لیکن اُس کے ساتھ وہ اِس حقیقت سے بھی اِنکار نہ کر سکے کہ ہزاروں حقیقتیں ایسی بھی ہیں کہ جن کو عقلِ اِنسانی بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔ اِس لئے کہ عقلِ اِنسانی کا اِنحصار حواسِ خمسہ پر ہے۔ گویا عقل کی بنیاد پر اُٹھائے گئے اَفکار و نظریات کی خود ہی نفی کر دی گئی کہ کچھ چیزیں ورائے عقل بھی ہوتی ہیں۔ بہرحال یہ دَور بنیادی طور پر **’حسّیت کا دَور‘** تھا کیونکہ علم کا ماخذ و منبع حواسِ خمسہ کو قرار دیا گیا تھا اور اِس بناء پر اُنہیں اپنے نقطۂ نظر کے کھوکھلے پن کا اِحساس ہوگیا۔ طویل مدت کے بعد ہی سہی...... بہرحال اِس نقطۂ

نظر سے اِنحراف کی راہ اپنانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ پھر اُس کے بعد **'دورِ تشکیک'** کا آغاز ہوا۔

فلسفہ کی تاریخ کا بیان ہمارا مقصود نہیں بلکہ بتانا یہ مقصود ہے کہ جس طرح آج کا اِنسان عقل کو فیصلہ کن سمجھتا ہے، آج سے تین ہزار سال پہلے کا اِنسان بھی عقل ہی کو فیصلہ کن گردانتا تھا۔ چنانچہ تاریخ کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ آج کے اِنسان کا نقطۂ نظر بھی حتمی نہیں کہ عقل جس حقیقت کا اِنکار کر دے وہ حقیقت ہی نہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے مُعجزات کو عقل کے پیمانے اور شعور کی کسوٹی پر پرکھنا اور کہتے پھرنا کہ چاند کسی ہستی کی اُنگلی کے اِشارے پر کیسے دولخت ہوسکتا ہے! کسی کی مرضی پر سورج کیسے اُلٹی گردش پھر سکتا ہے! اور یہ کیسے ممکن ہے کہ کنکریوں میں جان پڑ جائے اور وہ بلند آواز سے کلمہ پڑھنا شروع کر دیں! کہاں کی دانائی ہے۔

جدید سائنس کے اِعترافات

اِس کائناتِ رنگ و بو میں ورائے عقل بھی بہت سے حقائق ہیں۔ عقل کو خود اپنے اس عجز کا احساس ہے کہ کائنات کی ہر حقیقت اُس کے حیطۂ اِدراک میں نہیں آ سکتی۔ سائنس اُن حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے لیکن کاملاً اُنہیں سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ **اِنسانی عقل حواسِ خمسہ کے ساتھ پرواز کرتی ہے۔ جہاں حواسِ خمسہ ساتھ چھوڑ دیں وہاں عقل کی پرواز موقوف ہوکر رہ جاتی ہے۔ حواس کے خام مواد کے بغیر عقل عضوِ معطل ہے۔** ایک پیدائشی بہرہ آواز کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، اِسی طرح پیدائشی نابینا رنگ اور روشنی کی آمیزش سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اَب یہ عقل کے لئے تدبر و تفکر کا مقام ہے کہ جس طرح چار حواس کی موجودگی میں پانچویں حِس سے متعلقہ محسوسات سے آگاہی ممکن نہیں بالکل اِسی

طرح اِس کائناتِ ہست و بود میں ہزار ہا ایسی اَشیاء اور ایسے حقائق موجود ہیں جو ہمارے پانچوں حواس کے دائرۂ محسوسات سے ماوراء ہیں۔ **کیا یہ ضروری ہے کہ تمام کائنات کی خِلقت اُسی بنیادی ڈھانچے کی مطابقت میں عمل میں لائی گئی ہو جس بنیادی ڈھانچے کے مطابق اِنسانی حواس کی تخلیق ہوئی ہے؟** کائنات کے تمام موجودات کو حواسِ خمسہ کی کسوٹی پر پرکھنا اَیسے ہی خلافِ عقل بات ہے جیسے کوئی نابینا اُسے چار حواس کے بل بوتے پر پرکھتا پھرے، وہ یقیناً صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ پوری کائنات تو دُور کی بات ہے، اِس کرۂ ارضی پر بھی کئی جاندار ایسے ہیں جن کی تخلیق اُس بنیادی ڈھانچے سے بہت مختلف طریق پر ہوئی ہے اور وہ ایسی بے شمار محسوسات سے یکسر نابلد ہیں جو حضرتِ اِنسان کے دائرۂ اِختیار میں شامل ہیں۔ اِس ضمن میں چھپکلی اور سانپ کی بعض اَقسام خاص طور پر قابلِ ذِکر ہیں جو محض دو اَبعاد سے شناسا ہیں اور تیسرے بُعد (Dimention) کا وُجود اُن کے حواس کے مطابق ناپید ہے۔ اِس کے علاوہ بہت سے جانوروں کا مخصوص رنگوں کے لئے 'کلر بلائینڈ' ہونا بھی اِسی ضمن میں آتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار اَحوال، واقعات اور حقائق اِنسان کے حواسِ خمسہ کی گرفت سے بھی کلیتًا آزاد ہیں۔

جدید سائنسی علوم تو قدیم فلسفے کی طرح اِس بات سے بھی اِنکاری نہیں کہ حقیقت وہ ہے جس کی حواسِ خمسہ سے تصدیق و توثیق ممکن ہو۔ جدید سائنس خود ایسی سینکڑوں مخلوقات اور اَحوال و واقعات کی دریافت کا کارنامہ سر اِنجام دے چکی ہے جنہیں صرف حواسِ خمسہ اور محض عقلِ اِنسانی کے بل بوتے پر جاننا ممکن نہ تھا۔ مثلاً 'خورد بین' (Microscope)، 'دُور بین' (Telescope) اور 'پست موجی سراغ رساں' (Microwave Detector) جیسے آلات نے اِنسانی فہم و اِدراک کو اِس قابل کر دیا ہے کہ وہ اَن دیکھی مخلوقات کو دیکھ سکے اور لاکھوں نوری سال

کی مُسافت پر پیدا ہونے والے 'سیاہ شگافوں' (Black Holes) سے نکلنے والی 'ایکس ریز' کی بدولت اُن کا مُشاہدہ کر سکے۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قدیم فلسفے کی نسبت جدید سائنس کو مُعجزات اور دیگر ماوراء العقل عقائد پر قائل کرنا نسبتاً آسان ہے۔ جس طرح آج سے چند صدیاں پیشتر آج کے سائنسی حقائق سے کوئی واقف نہ تھا بالکل اِسی طرح آج کی جدید سائنس بھی اگلی صدیوں میں پیش آمدہ حقائق کا اِدراک کرنے سے قاصر ہے۔ جدید سائنس نے دینِ اِسلام ...... جو درحقیقت دینِ فطرت ہے ...... کی بیان کردہ بہت سی حقیقتوں کو مِن وعَن تسلیم کرلیا ہے۔ باقی چند ایک مقامات پر اگر اشکال ہے تو عین ممکن ہے کہ اِکیسویں صدی میں جو یقیناً اِسلام کی صدی ہے، اِسلام کے تمام عقائد و اَعمال کے مبنی بر فطرت اور مبنی بر حقیقت ہونے کی شہادت بھی اُس وقت کی جدید ترین سائنس دینے کا اِعزاز حاصل کرے۔ مغربی مفکرین اور مستشرقین نے اِسلام اور پیغمبرِ اِسلام ﷺ کے بارے میں فکری مغالطّوں اور علمی بد دیانتیوں کے جو طُومار باندھے تھے، اب اُنہیں جدید سائنسی اِنکشافات کی روشنی میں اپنی مفروضوں پرمبنی آراء سے رُجوع کر لینا چاہیئے کیونکہ جن حقائق کو اُن نام نہاد مفکرین نے تضحیک کا نشانہ بنا کر اِسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی اُنہیں جدید سائنس تسلیم کرتی جا رہی ہے۔ اُنہیں اپنی تحقیق اور اپنے گھر کی گواہی کو تسلیم کر لینا چاہیئے اور ضد اور تعصّب کی دلدل سے نکل کر اَعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے کہ یہی اَہلِ علم کا شیوہ ہے۔ یہ معاملہ تو تھا اِسلام کے عقائد و اَعمال کے فطری ہونے کا، اَب جہاں تک معاملہ ہے مُعجزات کا، تو مُعجزہ وہ حقیقت ہے جو کسی بھی دَور میں کاملاً فہمِ اِنسانی میں سمانے سے قاصر ہے۔ جدید سائنس کی روشنی میں مُعجزے کو جزواً سمجھنا اور اُس کی جزوی توجیہہ کرنا کسی حد تک ممکن ہے مگر کاملاً مُعجزے کا اِدراک تا قیامِ قیامت ممکن نہیں کیونکہ مُعجزہ اُن حقائق پر مشتمل ہوتا ہے جو حواسِ خمسہ اور عقلِ اِنسانی تو کجا اِنسان کے اِیجاد کردہ تمام تر سائنسی آلات کی حدود

سے بھی ماوراء ہوتا ہے۔

سیاہ شگاف (Black Hole) کی کامل تفہیم کے بعد اگلی نسلوں کو اس کی بدولت وقت میں سفر کی ترغیب دینے والا آج کا اِنسان اپنی حیرت انگیز اِیجادات کی بدولت اِس کرۂ ارضی سے کروڑوں اور اربوں میل کی مسافت پر وُقوع پذیر ہونے والے کائناتی تغیرات کا نہ صرف مُشاہدہ کر رہا ہے بلکہ اُن مُشاہدات کی روشنی میں اَہلِ زمین کی سلامتی اور بقاء کے منصوبے بھی بنا رہا ہے اور اَولادِ آدم کے لئے آسودہ لمحوں کی تلاش میں اپنے نظامِ شمسی سے بھی بہت دُور خلا کی بے اَنت وُسعتوں میں اِنسانی بستیاں آباد کرنے کا آرزومند ہے۔ کائنات کی تسخیر کے اِس سفر میں اُسے جن تجربات و مُشاہدات سے گزرنا پڑا، وہ اُسے تخلیقِ آدم اور تخلیقِ کائنات کی اُن ابدی سچائیوں کے بہت قریب لے آئے ہیں جن کا ذِکر آخری اِلہامی صحیفے ......قرآنِ مجید...... میں ربِ کائنات نے کھول کھول کر بیان کیا ہے اور جنوں اور اِنسان کو آسمانوں کی حدود سے نکل کر مُشاہدۂ حق کی ترغیب دی ہے۔ جوں جوں اِنسان جدید سائنسی علوم میں مہارت حاصل کر رہا ہے توں توں قرآنِ حکیم میں درج سائنسی حقائق کی تصدیق و توثیق ہوتی جا رہی ہے اور آج کا سائنسدان اِس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے حضور رحمتِ عالم ﷺ نے جو سائنسی اِنکشافات کئے تھے وہ اِلہام کے بغیر ممکن ہی نہیں، اِس لئے قرآن آسمانی ہدایت کی سچی کتاب اور پیغمبرِ اسلام ﷺ اِس کائنات کے خالق و مالک کے سچے رسول ہیں۔

عادتِ اِلٰہیہ اور قدرتِ خداوندی کی تفہیم

جدید ترین کمپیوٹر ٹیکنالوجی اور اِنٹرنیٹ سے لے کر مصنوعی سیاروں اور خلائی سٹیشنوں کے وسیع و عریض نظام تک، اِنسانی زِندگی میں تحقیق و جستجو کے اَن گِنت چراغ

روشن ہیں۔ اِنسان اِس تگ و دَو میں ہے کہ کائنات کے رازہائے سربستہ سے پردہ اُٹھا کر اُس کی تخلیق، مقصدِ تخلیق اور کائنات کے اِنجام سے آگاہی حاصل کرے اور پھر اِنسان کی تخلیق، اِس کائنات میں اُس کے کردار اور دِیگر حقائق کی تہہ تک پہنچ سکے۔ یہ سب کچھ ایک مربوط نظام کے تحت تکمیل پذیر ہے۔ اسے سادہ اور آسان اَلفاظ میں **’فطری نظام‘** کہتے ہیں جبکہ اِصطلاحاً اسے **’تکوینی نظام‘** اور **’مکافاتِ عمل‘** کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اِس کائناتِ رنگ و بو میں صرف دو چیزوں کا ظہور ہوتا ہے:

۱۔ اللہ ربّ العزّت کی عادت

۲۔ اللہ ربّ العزّت کی قدرت

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ خالقِ کائنات کی عادت بھی اُس کی قدرتِ کاملہ ہی کے تحت ہوتی ہے، تاہم اِصطلاحاً **اللہ کی عادت** سے مُراد اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ نظامِ فطرت یا تکوینی نظام ہے، جس کے تحت یہ کائناتِ پست و بالا مسلسل حرکت پذیر ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ کائنات کا آغاز تکوینی نظام کے تحت ہوا اور بالآخر اِس کا اِنجام بھی اِس تکوینی نظام کے تحت ہوگا۔

’اللہ کی قدرت‘ سے مُراد تمام وہ اَفعال ہیں جو عام نظامِ فطرت سے ہٹ کر وُقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اللہ ربّ العزّت کی عادت کا اِدراک و شعور اور اُس کے آغاز سے اِنجام تک تمام پہلوؤں کا اِحاطہ، عقلِ اِنسانی کی جہدِ مسلسل اور کوششِ بسیار کا ماحصل ہے۔ اِس کے برعکس **اللہ کی قدرت** کا اِدراک ذہنِ اِنسانی کے بس کی بات ہی نہیں۔ مثلاً اگر نر اور مادہ کے اِمتزاج سے بچہ پیدا ہو تو بات اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ اِنسانی عقل میں سما جائے گی کہ یہ تیسرا فرد کیسے تخلیق ہوا، اور اگر اَسباب و عِلل کے بغیر **قدرتِ اِلٰہیہ** کا ظہور ہو تو عقل اُس کا اِدراک حاصل کرنے سے قاصر رہے گی۔ مثلاً

ربِ ذوالجلال محض خاک سے ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق فرما دے تو یہ اللہ ربّ العزّت کی **قدرت** کا ظہور ہے، جس کا اِدراک **عقل** سے **ممکن نہیں**۔ حضرت صالح علیہ السلام کے ڈنڈے سے پہاڑ کا پھٹنا اور اُونٹنی کا برآمد ہونا، حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بند کمرے میں بے موسمی پھل آنا...... یہ سب **قدرتِ الٰہیہ** کے نظارے ہیں۔ عقل اِن نظاروں کے اِدراک کی طاقت نہیں رکھتی۔ عقل کی پہنچ **عادت** کے مطابق ہوتی ہے اور جو چیز ماہیت کے لحاظ سے تو وُقوع پذیر ہو مگر **عادت** کے خلاف ہو، وہ عقل کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ عقل ایک مقررہ اُصول، سبب اور نتیجے کے تحت **عادت** کے نظام کو سمجھتی ہے اور جب **عادت** کا نظام ہی بدل جائے اور خدا کو اپنی **قدرت** کا اِظہار مقصود ہو تو عقل اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوُجود معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اِس لئے اَنبیائے کرام کے مُعجزات کو اپنی عقل کے پیمانے سے ماپنے والوں کو اِس بنیادی نکتہ سے متفق ہونا پڑے گا کہ **مُعجزہ کہتے ہی اُس اَمر کو ہیں جو عقل کی جملہ صلاحیتوں کو عاجز کر دے۔** اگر وہ واقعتاً عقل کے دائرے میں آ جائے تو وہ مُعجزہ نہیں ہے اور اگر مُعجزہ، مُعجزہ نہ رہے تو نبی کے کمالات کا اِنکار ہو جاتا ہے اور یہ صورتحال **قدرتِ الٰہیہ** کو کسی صورت میں قبول نہیں۔

تمدّنی اور ثقافتی پس منظر میں مُعجزات کا ظہور

تاریخِ اَنبیاء و مُرسلین ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی اور ہر رسول کو کوئی نہ کوئی ایسا مُعجزہ ضرور عطا فرماتا ہے جو اپنے عہد کے معروضی حالات اور تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ تاریخ کے مختلف اَدوار میں عقلِ اِنسانی کسی نہ کسی فن کو اپنے عروج پر لے جا چکی ہوتی ہے، لہٰذا اُس نبی کے عہد کے لوگوں کے ذِہنی اور فکری اِرتقاء کو مدِنظر

رکھتے ہوئے اُسے ایسا مُعجزہ عطا کیا جاتا ہے کہ اُس کے پورے دَور میں عقلِ اِنسانی کسی ایسی چیز کو اِیجاد نہ کر سکے جو اُس نبی یا رسول کے مُعجزہ کو (نعوذُ باللہ) مات کر دے یا اُس مُعجزے کی نفی کر دے۔ مُعجزے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عقلِ اِنسانی کی ماحصل تمام تر اِیجادات سے آگے نکل جائے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دَورِ نبوت میں یونانی اَطبّاء حضرات عجیب عجیب بیماریوں کو دوَا دے کر دُور کر دیتے تھے۔ یہ کارنامہ عقلِ اِنسانی کا تھا۔ اِس فکری اور نظری پس منظر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ مُعجزہ عطا ہوا کہ آپ مُردوں کو زِندہ کر دیتے، مادرزاد اندھوں کو قوّتِ بینائی عطا کر دیتے، کوڑیوں کو اِذنِ شفا سے ہمکنار کرتے۔ آپ کا پورا عہد اپنی تمام تر تہذیبی، تمدّنی اور ثقافتی ترقی کے باوجود اللہ کے نبی کے ایک بھی مُعجزے کا جواب پیش نہ کر سکا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہدِ مبارکہ میں عقلِ اِنسانی نے جادُو جیسے فن کو اِیجاد کیا۔ قرآنِ حکیم میں فرعون کے دربار کا ذِکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ فرعون نے اللہ کے نبی کے مقابلے میں بڑے بڑے جادُوگروں کو اِکٹھا کیا اور اُنہیں اپنے کمالات دِکھانے کے لئے کہا۔ جادُوگر زمین پر اپنی رسیاں پھینکتے تو وہ رسیاں سانپ بن جاتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن جادُوگروں کے مقابلے میں اپنا عصا پھینکنے کا حکم ہوا اور یوں '**قدرتِ الٰہیہ**' کے مظہر کے طور پر آپ کا عصا ایک اژدھا بن کر سارے سانپوں کو نگل گیا۔

مُعجزاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیریت

سابقہ تمام اَنبیائے کرام علیہم السلام کی نبوّتیں چونکہ زمان و مکاں کی پابند تھیں اِس لئے اُنہیں اُسی سطح کے محدُود مُعجزات عطا کئے گئے۔ جب نبیٔ آخر الزّماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو گو پوری دُنیا جہالت کی تاریکیوں میں لپٹی ہوئی تھی، تاہم تمدّنی اور ثقافتی

حوالوں سے آپ کا عہد ماضی سے یکسر مختلف تھا۔ یہ تاریخِ اِرتقائے نسلِ اِنسانی کا ایک ایسا دَور تھا جس میں عقلِ اِنسانی ترقی کی کئی منازل طے کرچکی تھی اور اُسے قیامت تک تعمیر و ترقی کے اَن گِنَت مراحل سے گزرنا تھا اور کائنات کی وُسعتوں میں بستیاں آباد کرنا تھیں۔ اِس لئے حضورﷺ کو جو مُعجزات عطا کئے گئے وہ بھی جدید سائنسی علوم کے ذریعہ خلاؤں میں اِنسان کی پیش رفت کو مدِنظر رکھ کر عطا کئے گئے۔ اِس لئے اَب قیامت تک عقلِ اِنسانی سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جتنی بھی ترقی کرتی چلی جائے مُعجزۂ مصطفویﷺ کی وُسعتوں اور عظمتوں کا جزوی طور پر بھی جواب پیش کرنے سے معذور رہے گی۔

دَورِ نبوتِ مصطفوی میں عقلِ اِنسانی کا سب سے بڑا کارنامہ جو بیسویں صدی کے آخر تک منصۂ شہود پر چھایا رہا، وہ خلا کی تسخیر ہے۔ آج کا اِنسان زمین کی پستیوں سے اُٹھ کر خلا کی بلندیوں کو پھلانگتا ہوا چاند کو مسخر کر چکا ہے اور اِکیسویں صدی میں مرّیخ اور دیگر سیارگانِ فلکی کی تسخیر کے لئے بھی کوشاں ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت ہونے والی نت نئی اِیجادات کے بعد عقلِ اِنسانی کے پاس مُعجزۂ معراجِ مصطفوی کو جھٹلانے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ **اگر آج ناقص العقل اِنسان کا مادّی اَسباب کی بناء پر خلاؤں کا سینہ چیرتے ہوئے چاند پر قدم جمانا اور اپنے نظامِ شمسی کی آخری بلندیوں کو چھونا ممکن ہے، تو مسببُ الاسباب کی عطا کردہ رُوحانی قوّت کے ذرِیعہ سرورِ کائناتﷺ کا آسمانوں کی وُسعتوں کو چیرتے ہوئے سِدرۃُ المُنتھٰی اور قَابَ قَوسَین تک جا پہنچنا کیونکر ممکن نہیں!** عقلِ اِنسانی اِیجادات کے جو اَنبار لگا رہی ہے، وہ مُعجزاتِ حضورﷺ کی صحت کی دلیل کا کوئی نہ کوئی راستہ ہے۔ مُعجزے کا پورا اِدراک عقلِ اِنسانی سے ممکن نہیں لیکن جب عقل اپنے

کمال ......یعنی اِقرارِ نقص ......کی طرف بڑھی تو مُعجزے کی صحت کے قریب ہوتی چلی گئی۔ عقل جب تک عقلِ ناقص ہو...... نبی ﷺ کی عظمتوں کا اِعتراف کرنے سے قاصر رہتی ہے، لیکن جب اپنے نقص کا اِقرار و اِعتراف کر کے عقلِ کامل بن جاتی ہے تو عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا کوئی نہ کوئی گوشہ اُس پر بھی آشکار ہو جاتا ہے۔ علامہ اِقبالؒ نے اسی عقلِ ناقص کے بارے میں فرمایا تھا:

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

جدید سائنسی علوم کی تمام تر سعی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عادت کا راز تلاش کرنے میں پنہاں ہے۔ **عادتِ الٰہیہ** کے راز کی جستجو ہی سائنس کا مکمل دائرۂ عمل ہے۔ مُعجزہ **اللہ کی قدرت** کا اِظہار ہونے کے ناطے جدید سائنسی تحقیقات کی ساری جد و جہد اور ہر طرح کی کاوِش کے باوُجود اُس کے دائرۂ کار سے خارِج ہے۔ مُعجزے کی سطح کا آغاز ہی **عادتِ الٰہیہ** کی آخری سرحدوں سے ہوتا ہے اور سائنس تو ابھی **عادتِ الٰہیہ** کی اَبجد بھی نہیں سیکھ پائی، البتہ قاعدۂ مطابقت اور مماثلت کے تحت اللہ ربّ العزّت کی عادت کے بیان میں بعض اَوقات سائنس لاشعوری طور پر مُعجزے کی مؤیّد اور مُصدِّق ضرور بنتی چلی جاتی ہے۔ اِس حوالے سے تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

فصل دوم

جدید سائنس
اور
معجزہ معراج

جیسا کہ ہم پہلے ذِکر کر چکے ہیں کہ جدید سائنسی علوم جن کائناتی سچائیوں پر سے پردہ اُٹھا رہے ہیں اور قدم قدم پر اِنکشافات کی نئی نئی دُنیاؤں کے ظہور کی تصدیق کر رہے ہیں، اِس سے اِسلام اور پیغمبرِ اِسلام ﷺ کی آفاقی تعلیمات کی سائنسی توجیہہ خود بخود ہوتی جارہی ہے اور آج کا سائنسدان اپنی سائنسی تحقیقات کے حوالے سے قرآن کو اِلہامی کتاب اور حضور رحمتِ عالم ﷺ کو خدا کے فرستادہ پیغمبرِ آخر ﷺ تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ اپنے تمام تر تعصّبات کے باوجود اُنہیں اِعترافِ حقیقت کرتے ہی بنی ہے کہ اِس کے سِوا اُن کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں شاید اِس کی ضرورت بھی نہ تھی مگر آج چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد معجزاتِ نبوی پر سائنسی حوالوں سے غور و فکر کیا جا رہا ہے۔ صحابہ کرامؓ مثالی اِیمان کے مالک تھے۔ خلافِ عادت واقعات دیکھ کر نہ وہ کسی فکری تذبذب کا شکار ہوتے، یقین کی راہوں پر اُن کے قصرِ اِیمان کی دیواروں میں شگاف پڑتے اور نہ وہ مشروط کمٹمنٹ کے لئے حیلے بہانے تراشتے۔ اُن کے پائے اِستقلال میں لغزش کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، اِس لئے کہ اُن کے سینے یقینِ محکم کی دولت سے معمور تھے۔ شکوک و شبہات کی گرد اُن کے آئینۂ دل پر ذرا سی بھی خراش نہ ڈال سکتی تھی۔

عہدِ جدید کا مسلمان غبارِ تشکیک میں گم ہے اور اُسے معجزاتِ نبوی اور کمالاتِ مصطفوی ﷺ سے بخوبی آگاہ کرنے کے لئے اُس کے ساتھ جدید سائنسی تناظر میں بات کرنا ضروری ہے۔ اگر مسلمان دانشور اِس سلسلے میں محنت کریں تو نہ صرف یہ کہ

نوجوان نسل کا اِیمان غارت ہونے سے بچایا جا سکتا ہے بلکہ غیر مسلموں کو بھی عظمتِ مصطفیٰ ﷺ سے رُوشناس کراتے ہوئے دَعوت و تبلیغِ دین کا فریضہ بطریقِ اَحسن ادا کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ہم سرورِ اَنبیا ﷺ کے بعض معجزاتِ جلیلہ کا جدید سائنسی حوالوں سے بالاختصار ذِکر کریں گے تاکہ عقل کے غلام اور مادّی سوچ رکھنے والے محققین بھی ربوبیت باری تعالیٰ کو دِل و جان سے تسلیم کر کے بارگاہِ خداوندی میں سربسجود ہونے کا اِعزاز حاصل کریں گے۔ اِس جگہ تفصیل میں جائے بغیر چند چیدہ چیدہ معجزات کا ذِکر صرف اِجمالاً ہی کیا جائے گا، تفصیلی مطالعہ کے لئے کتاب کے آخری حصے میں موجود واقعاتِ معجزات پر مبنی حصہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

عالمِ بشریت کی زد میں

معراج کمالِ معجزاتِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ یہ وہ عظیم خارقِ عادت واقعہ ہے جس نے تسخیرِ کائنات کے مقفّل دروازوں کو کھولنے کی اِبتداء کی۔ اِنسان نے آگے چل کر تحقیق و جستجو کے بند کواڑوں پر دستک دی اور خلاء میں پیچیدہ راستوں کی تلاش کا فریضہ سرانجام دیا۔ رات کے مختصر سے وقفے میں جب اللہ ربّ العزّت حضور رحمتِ عالم ﷺ کو مسجدِ حرام سے نہ صرف مسجدِ اَقصیٰ تک بلکہ جملہ سماوِی کائنات (Cosmos) کی بے اَنت وُسعتوں کے اُس پار ’’قَابَ قَوْسَيْنِ‘‘ اور ’’أَوْ أَدْنٰی‘‘ کے مقاماتِ بلند تک لے گیا اور آپ مدّتوں وہاں قیام کے بعد اُسی قلیل مدّتی زمینی ساعت میں اِس زمین پر دوبارہ جلوہ اَفروز بھی ہو گئے۔

آج سے چودہ سو سال قبل علومِ اِنسانی میں اِتنی وُسعت تھی اور نہ اِتنی گیرائی اور گہرائی کہ معجزاتِ رسول ﷺ کا کوئی اَدنیٰ جزو ہی اُن کے فہم و اِدراک میں آ جاتا حتی کہ اُس وقت بہت سے علومِ جدیدہ کی مُبادیات تک کا بھی دُور دُور تک کہیں نام و نشان

نہ تھا۔ آج عقلِ انسانی اپنے اِرتقاء، اپنی تحقیق اور جستجو کے بل بوتے پر جن کائناتی صداقتوں اور سچائیوں کو تسلیم کر رہی ہے، ہزاروں سال قبل اِن کی تصدیق و توثیق وحیٔ اِلٰہی کے بغیر ممکن نہ تھی۔ تاریخ شاہد عادل ہے کہ جمیع مسلمانانِ عالم اِیمان بالغیب اور **قدرتِ اِلٰہیہ** کے ظہور پر اِیمان رکھنے کی وجہ سے بغیر دلیل معجزاتِ مصطفیٰ ﷺ کے ہمیشہ قائل رہے۔ عہدِ حضور ﷺ، عہدِ صحابہ اور بعد میں آنے والے اُن مسلمانوں کا اِیمان قابلِ رشک اور قابلِ داد تھا کہ ظہورِ قدرتِ اِلٰہیہ کے ناقابلِ فہم و اِدراک ہونے کے باوجود اُن کا اِیمان کبھی متزلزل نہیں ہوا، اُن کے آئینۂ دل پر کبھی بھی شبہات کی گرد اور وسوسوں کی دُھول نہیں پڑی، اُن کے آئینۂ شعور میں بھی کبھی کوئی بال نہیں آیا۔ آج سے چودہ سو سال قبل عقلی بنیادوں پر دورانِ معراج آن کی آن میں ساتوں آسمانوں کی حدود سے گزر کر لامکاں تک جا پہنچنا اور اسی لمحے میں اس کھربوں نوری سال کی مسافت کو طے کر کے واپس سرزمینِ مکہ پر تشریف لے آنا تو کجا زمین کی بالائی فضا میں پرواز کا تصوّر بھی ناقابلِ یقین محسوس ہوتا ہے اور دُوسری طرف آج کا اِنسان اللہ ربّ العزّت کی عطا کردہ تخلیقی صلاحیتوں کی بدولت عالمِ اَسباب کے اندر رہتے ہوئے اپنی کی سی اِتباعِ معجزۂ معراج میں کائنات کو مسخر کرنے کا عزم لے کر نکلا ہے۔ اگرچہ آج کا اِنسان صبح و شام فضائے بسیط میں محوِ پرواز ہے لیکن اگر واقعۂ معراج کو اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ حیطۂ شعور میں لایا جائے تو خلائی سفر کے مخصوص لوازمات کے بغیر کرّۂ فضا سے باہر ایتھر (Ather) میں کروڑوں نوری سال کا سفر طے کرنے کا تصوّر آج بھی ناممکن دِکھائی دیتا ہے۔

فضائے بالا کی مختلف کیفیّات

یہ کرۂ ارضی گیسوں پر مشتمل ایک ایسے شفّاف غلاف میں لپٹا ہوا ہے، جو زمین

پر زِندگی کوممکن بھی بناتا ہے اور شہابِ ثاقب کی بارِش میں اس پر پرورش پانے والی زندگی کوتحفظ کی رِدا بھی فراہم کرتا ہے۔ آج کے اس خلائی تحقیقات کے دور میں جب اِنسان خلاء کے سفر پر روانہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے مرحلے میں اُسے سینکڑوں کلومیٹر کی گہرائی پر مشتمل زندگی بخش ہواؤں کے اِسی سمندر کوعبور کرنا ہوتا ہے۔

ہوائی سفر میں زیادہ بلندی پر آکسیجن کی کمی کی صورت میں گیس ماسک (Gas Mask) اِستعمال کیا جاتا ہے۔ جہاز کے اندر مصنوعی طور پر ہوا کا دباؤ (Air Pressure) بھی بنایا جاتا ہے اور اگر کسی تیکنیکی خرابی کی وجہ سے مکیّف (Air Tight) جہاز میں سوراخ ہو جائے تو جہاز کے اندر کا مصنوعی دباؤ تیزی سے گر جاتا ہے، جس سے مسافروں کے اَجسام سخت اِضمحلال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض صورتوں میں مسافروں کے منہ، ناک اور کانوں سے خون بھی بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر فوری طور پر دوبارہ مصنوعی دباؤ بنانا ممکن نہ ہو تو پائلٹ تیزی سے جہاز کی بلندی گراتے ہوئے اُسے اُس مخصوص سطح تک لے آتے ہیں، جہاں ہوا کا مناسب دباؤ موجود ہوتا ہے اور مسافر مزید پریشانی اور جانی نقصان سے بچ جاتے ہیں۔

خلائی سفر کی لابدّی ضروریات

خلائی سفر پر روانگی کے دوران کرۂ ہوائی (Atmosphere) سے باہر نکلنے کے لئے کم از کم 40,000 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ خلانوردوں (Astronauts) کو آکسیجن اور مصنوعی دباؤ کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص لباس ’’Pressure suit‘‘ بھی درکار ہوتا ہے جو اُنہیں درجۂ حرارت کی شدّت کے علاوہ برقی مقناطیسی لہروں (Electro Magnetic Radiations) سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ EVA Spacesuit جو ایک اِنسان کو خلائی سفر کے

دوران آکسیجن کی فراہمی، مناسب حرارت، کمیونیکیشن اور خلاء میں قیام کے لئے دیگر ضروری سہولیات فراہم کرتا ہے، کے علاوہ Manned Maneuvering Unit (MMU) کی بدولت اِنسان اِس قابل بھی ہو چکا ہے کہ خلائی شٹل سے باہر نکل کر ایک مصنوعی سیارے کی طرح زمین کے مدار میں طویل وقت کے لئے بآسانی چہل قدمی کر سکے۔

تسخیرِ ماہتاب...... اِنسان کا بعید ترین خلائی سفر

ہوائی سفر کی مشکلات پر بتدریج قابو پایا جا رہا ہے اور اَب یہ سفر کسی حد تک محفوظ خیال کیا جاتا ہے لیکن خلائی سفر میں اِنسان کو فنی اور تیکنیکی پیچیدگیوں کا ہی سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ نفسیاتی اُلجھنیں بھی اُس کا دامن تھام لیتی ہیں۔ خلاء کا سفر خطرات سے خالی نہیں، لیکن جذبۂ تسخیرِ کائنات عزم کو عمل کے سانچے میں ڈھالتا ہے تو اِنسان چاند کی سطح پر اپنی عظمت کا پرچم نصب کرنے کے بعد اپنے خلائی سفر کے اگلے مرحلے کی منصوبہ بندی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ بیسویں صدی میں یہ کارنامہ سرانجام دیا جا چکا ہے۔

خلائی تحقیقات کے امریکی اِدارے National Aeronautic Space Agency (NASA) کی طرف سے تسخیرِ ماہتاب کے لئے شروع کئے گئے دس سالہ اپالو مِشن کے تحت جولائی 1969ء میں چاند کا پہلا کامیاب سفر کرنے والے Apolo-11 کے مسافر امریکی خلانورد 'نیل آرمسٹرانگ' (Neil Armstrong) اور 'ایڈون بز' (Edwin Buzz) تاریخ اِنسانی کے وہ پہلے اَفراد تھے جو چاند کی سطح پر اُترے جبکہ اُن کا تیسرا ساتھی 'کولنز' (Collins) اُس دوران مصنوعی سیارے کی مانند چاند کے گرد محوِ گردش رہا۔ اِس دوران امریکی ریاست فلوریڈا

میں قائم زمینی مرکز (KSC) Kennedy Space Center میں موجود سائنسدان اُنہیں براہِ راست ہدایات دے رہے تھے۔ ضروری تجربات کے علاوہ مختلف ساخت کے چند پتھروں کے نمونے وغیرہ لے کر، روانگی سے محض دو دن بعد خلا نوردوں کا یہ مہم جو قافلہ واپس زمین پر آ گیا۔ اِس مہم کے دوران پل پل کی خبر ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعہ زمین کے مختلف خطوں میں بسنے والے اِنسانوں تک پہنچائی جاتی رہی۔ عالمِ اِنسانیت کی اِن خلائی فتوحات اور تسخیرِ ماہتاب کا ذِکر چودہ صدیاں قبل صحیفۂ کمال یعنی قرآنِ مجید میں پوری وضاحت کے ساتھ کر دیا گیا تھا۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

وَ الْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ O لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ O فَمَا لَهُمْ لاَ يُؤْمِنُوْنَ O (الانشقاق،۸۴:۱۸-۲۰)	قسم ہے چاند کی جب وہ پورا دکھائی دیتا ہے o تم یقیناً طبق در طبق ضرور سواری کرتے ہوئے جاؤ گے o تو اُنہیں کیا ہو گیا ہے کہ (قرآنی پیشینگوئی کی صداقت دیکھ کر بھی) اِیمان نہیں لاتے o

قرآنِ حکیم کے علاوہ بائبل سمیت دیگر صحائفِ آسمانی اور مذہبی کتب میں اِس قدر دُرست سائنسی حوالے بالکل نہیں ملتے۔ درج بالا آیتِ مبارکہ میں تسخیرِ ماہتاب کا جو واضح اِشارہ ہے، بیسویں صدی کے اِنسان نے اُس اِشارے کی عملی تفسیر اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ آج کے اِنسان نے کامیابی و کامرانی کی اَن گنت منازِل طے کر لی ہیں۔ علومِ جدیدہ اِنسان کے ذِہن کو کشادگی بخش رہے ہیں۔ اُلجھی ہوئی گرہیں کھل رہی ہیں اور کائنات اپنی ازلی صداقتوں کے ساتھ نکھر کر اُس کے سامنے بے نقاب ہوتی چلی آ رہی ہے۔ لیکن اپنی تمام تر مادّی ترقی کے باوجود ابھی تک اِنسان روشنی کی رفتار سے سفر کرنے کی صلاحیّت حاصل نہیں کر سکا۔ روشنی 1,86,000 میل

(تین لاکھ کلو میٹر) فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے اور سائنس کی زبان میں اِس قدر رفتار کا حصول کسی بھی مادّی شئے کے لئے محال ہے۔

روشنی کی رفتار کے حصول میں حائل رکاوٹیں

ممتاز سائنسدان 'البرٹ آئن سٹائن' نے 1905ء میں 'نظریۂ اضافیتِ مخصوصہ' (Special Theory of Relativity) پیش کیا۔ اُس تھیوری میں آئن سٹائن نے وقت اور فاصلہ دونوں کو تغیر پذیر قرار دیتے ہوئے واضح کیا کہ زمان و مکاں (Time & Space) کی گتھیاں اِس تھیوری کے کماحقہٗ اِدراک کے بغیر نہیں سلجھ سکتیں۔

آئن سٹائن نے ثابت کیا ہے کہ مادّہ (Matter) توانائی (Energy) کشش (Gravity) زمان (Time) اور مکان (Space) میں ایک خاص ربط اور ایک خاص نسبت پائی جاتی ہے۔ اُس نے یہ بھی ثابت کیا کہ اِن سب کی مطلقاً کوئی حیثیت نہیں۔ مثلاً جب ہم کسی وقت یا فاصلے کی پیمائش کرتے ہیں تو وہ اِضافی (Relative) حیثیت سے کرتے ہیں۔ گویا کائنات کے مختلف مقامات پر وقت اور فاصلہ دونوں کی پیمائش میں کمی وبیشی ممکن ہے۔ نظریۂ اِضافیت میں آئن سٹائن نے یہ بھی ثابت کیا کہ کسی بھی مادّی جسم کے لئے روشنی کی رفتار کا حصول ناممکن ہے اور ایک جسم جب دو مختلف رفتاروں سے حرکت کرتا ہے تو اُس کا حجم بھی اُسی تناسب سے گھٹتا اور بڑھتا ہے۔

آئن سٹائن برسوں کے غور و فکر کے بعد اِس نتیجے پر پہنچا کہ اِنتہائی تیز رفتار متحرّک جسم کی لمبائی اُس کی حرکت کی سمت میں کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ روشنی کی 90% رفتار سے سفر کرنے والے جسم کی کمیّت دوگنا ہو جاتی ہے، جبکہ اُس کا حجم نصف رہ جاتا

ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وقت کی رفتار بھی اُس پر نصف رہ جاتی ہے۔

مثال: مثال کے طور پر اگر کوئی راکٹ 1,67,000 میل فی سیکنڈ (روشنی کی رفتار کا 90%) کی رفتار سے 10 سال سفر کرے تو اُس میں موجود خلانورد کی عمر میں صرف 5 سال کا اِضافہ ہوگا جبکہ زمین پر موجود اُس کے جڑواں بھائی پر 10 سال گزرنے کی وجہ سے خلانورد اُس سے 5 سال چھوٹا رہ جائے گا۔ آئن سٹائن نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اِنسانی جسم کی اِس محیّر العقول رفتار پر نہ صرف دِل کی دھڑکن اور دورانِ خون بلکہ اِنسان کا نظامِ اِنہضام اور تنفس بھی سست پڑ جائے گا۔ جس کا لازمی نتیجہ اُس خلانورد کی عمر میں کمی کی صورت میں نکلے گا۔

آئن سٹائن کے اِس نظریہ کے مطابق روشنی کی رفتار کا 90% حاصل کرنے سے جہاں وقت کی رفتار نصف رہ جاتی ہے، وہاں جسم کا حجم بھی سکڑ کر نصف رہ جاتا ہے اور اگر مادّی جسم اِس سے بھی زیادہ رفتار حاصل کر لے تو اُس کے حجم اور اُس پر گزرنے والے وقت کی رفتار میں بھی اُسی تناسب سے کمی ہوتی چلی جائے گی۔ اِس نظریئے میں سب سے دِلچسپ اور قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ **اگر بفرضِ محال کوئی مادّی جسم روشنی کی رفتار حاصل کر لے تو اُس پر وقت کی رفتار بالکل تھم جائے گی اور اُس کی کمیّت بڑھتے بڑھتے لامحدود ہو جائے گی اور اُس کا حجم سکڑ کر بالکل ختم ہو جائے گا، گویا جسم فنا ہو جائے گا۔** یہی وہ کسوٹی ہے جس کی بنیاد پر آئن سٹائن اِس نتیجے پر پہنچا کہ کسی بھی مادّی جسم کے لئے روشنی کی رفتار کا حصول ناممکن ہے۔

معجزۂ معراج میں برّاق کا سفر

آئن سٹائن کے نظریۂ اِضافیت (Theory of Relativity) کے مطابق روشنی کی رفتار کا حصول اور اُس کے نتیجے میں حرکت پذیر مادّی جسم پر وقت کا تھم

جانا اور اثر پذیری کھو دینا ناممکن ہے (کیونکہ اِس صورت میں مادّی جسم کی کمیّت لامحدود ہو جانے کے ساتھ ساتھ اُس کا حجم بالکل ختم ہو جائے گا)۔ آئن سٹائن کے نظریہ کی رُو سے یہی قانونِ فطرت پورے نظامِ کائنات میں لاگو ہے۔ اب اِس قانون کی روشنی میں سفرِ معراج کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ **''اللہ کی عادت''** کا یہ نظامِ فطرت اُس کی ''قدرت'' کے مظہر کے طور پر بدل گیا۔ وقت بھی تھم گیا...... جسم کی کمیّت بھی لامحدود نہ ہوئی، اور وہ فنا ہونے سے بچا رہا...... اُس کا حجم بھی جوں کا توں برقرار رہا...... اور خلائی سفر کی لابدّی مقتضیات پورے کئے بغیر سیاحِ لامکاں ﷺ نے برّاق کی رفتار (Multiple Speed of Light) سے سفر کیا، بیت المقدس میں تعدیلِ ارکان کے ساتھ نمازیں بھی ادا کیں، دورانِ سفر کھایا اور پیا بھی، لامکاں کی سیر بھی کی، اللہ کے برگزیدہ اَنبیاء کے علاوہ خود اللہ ربّ العزّت کا ''قَابَ قَوْسَيْن'' اور ''أَوْ أَدْنٰی'' کے مقاماتِ رِفعت پر جلوہ بھی کیا اور بالآخر سفرِ معراج کے اختتام پر واپس زمین کی طرف پلٹے تو تھما ہوا وقت آپ ﷺ کی واپسی کا منتظر تھا۔ وضو کا پانی بہہ رہا تھا، بستر ہنوز گرم تھا اور دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی۔ اگرچہ معجزہ کسی مادّی توجیہہ کا محتاج نہیں لیکن اِس حقیقت کا اِدراک ہمیں ضرور ہونا چاہئے کہ سائنس سفرِ اِرتقاء کے ہر قدم پر معجزاتِ حضور ﷺ کی اتباع میں تسخیرِ کائنات کرتے ہوئے اِسلام کے اِلہامی مذہب ہونے کے بالواسطہ اِعتراف کا اِعزاز حاصل کر رہی ہے۔ نظریۂ اِضافیت میں روشنی کی عام رفتار کا حصول بھی ناممکن بنا کر پیش کیا گیا ہے، جبکہ حضور سرورِ کائنات ﷺ برّاق پر سوار ہو کر ہزارہا روشنیوں کی رفتار سے سفرِ معراج پر تشریف لے گئے۔ بُرّاق برق کی جمع ہے، جس کے معنی روشنی کے ہیں۔ آج کا اِنسان اپنی تمام تر مادّی ترقی کے باوجود روشنی کی رفتار کا حصول اپنے لئے ناممکن تصوّر کرتا ہے۔ یہ اِحساسِ محرومی اُسے اِحساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے، جبکہ تاجدارِ کائنات ﷺ روشنی سے بھی کئی گنا تیز رفتار برّاق پر سوار

ہو کر سفرِ معراج پر روانہ ہوئے۔ **معراج کا واقعہ علمِ اِنسانی کے لئے اِشارہ ہے کہ اِس کائناتِ رنگ و بو میں موجود عناصر ہی کی باہم کسی انوکھی ترکیب سے اِس بات کا قوی اِمکان ہے کہ اِنسان روشنی کی رفتار کو پا لے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو لاکھوں کروڑوں نوری سال کی مسافتوں میں بکھری ہوئی اِس کائنات کی تسخیر کا خواب اُدھورا رہ جائے گا۔** اِقبالؒ نے کہا تھا:

خبر ملی ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

معجزۂ معراج طیٔ زمانی اور طیٔ مکانی کی جامعیت کا مظہر

اب جدید سائنس بھی اپنی تحقیقات کو بنیاد بنا کر اِس کائناتی سچائی تک رسائی حاصل کر چکی ہے کہ رفتار میں کمی و بیشی کے مطابق کسی جسم پر وقت کا پھیلنا اور سکڑ جانا اور جسم کے حجم اور فاصلوں کا سکڑنا اور پھیلنا قوانینِ فطرت اور منشائے خداوندی کے عین موافق ہے۔ ربِّ کائنات نے اپنی آخری آسمانی کتاب قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں طیٔ زمانی اور طیٔ مکانی کی بعض صورتوں کا ذِکر فرما کر بنی نوعِ اِنسان پر یہ واضح کر دیا ہے کہ اِنسان تو بیسویں صدی میں اپنی عقل کے بل بوتے پر وقت اور جگہ (Time & Space) کے اِضافی (Relative) تصوّرات کو اپنے حیطۂ اِدراک میں لانے میں کامیاب ہوگا لیکن ہم ساتویں صدی عیسوی کے اوائل ہی میں اپنی وحی کے ذریعہ اپنے محبوب رسول ﷺ پر اِن کائناتی سچائیوں کو منکشف کر رہے ہیں۔

طیٔ مکانی

لاکھوں کروڑوں کلومیٹرز کی وُسعتوں میں بکھری مسافتوں کے ایک جنبشِ

قدم میں سمٹ آنے کو اِصطلاحاً ’طیِ ٔمکانی‘ کہتے ہیں۔

طیِ ٔزمانی

صدیوں پر محیط وقت کے چند لمحوں میں سمٹ آنے کو اِصطلاحاً ’طیِ ٔزمانی‘ کہتے ہیں۔

خدائے قدیر وخبیر اپنے برگزیدہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام میں سے کسی کو معجزہ اور کرامت کے طور پر طیِ ٔزمانی اور کسی کو طیِ ٔمکانی کے کمالات عطا کرتا ہے لیکن حضور رحمتِ عالم ﷺ کا سفرِ معراج معجزاتِ طیِ ٔزمانی اور طیِ ٔمکانی دونوں کی جامعیت کا مظہر ہے۔ سفر کا ایک رخ اگر طیِ ٔزمانی کا آئینہ دار ہے تو اُس کا دوسرا رخ طیِ ٔمکانی پر محیط نظر آتا ہے۔ معراج النبی ﷺ کے دوران میں اِن معجزات کا صدور نصِ قرآن و حدیث سے ثابت ہے، جن کی صحت میں کسی صاحبِ اِیمان کے لئے اِنحراف کی گنجائش نہیں۔

قرآنِ حکیم میں طیِ ٔمکانی کا ذکر

حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ سبا ’’بلقیس‘‘ کے تخت کے بارے میں اپنے درباریوں سے سوال کرتے ہیں:

قَالَ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَO

(النمل، ۲۷:۳۸)

(حضرت سلیمان علیہ السلام نے) فرمایا: اے درباروالو! تم میں سے کون اُس (ملکہ) کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے، قبل اِس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہوکر میرے پاس آجائیں O

ملکۂ سبا بلقیس کا تخت دربارِ سلیمان علیہ السلام سے تقریباً 900 میل کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے کہ ملکۂ سبا جو مطیع ہو کر اُن کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے اپنے پایۂ تخت سے روانہ ہو چکی ہے، اُس کا تخت اُس کے آنے سے قبل ہی سرِ دربار پیش کر دیا جائے۔ قرآنِ مجید کہتا ہے:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا اٰتِيْکَ بِهٖ قَبْلَ أَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ وَ إِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِيْنٌO (النمل، ۳۹:۲۷)	ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا: ’’میں اُسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اِس کے کہ آپ اپنے مقام سے اُٹھیں اور بے شک میں اُس (کے لانے) پر طاقتور (اور) امانتدار ہوں O

قرآنِ مجید کی اس آیتِ کریمہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے دربار کے ایک جن کو قاعدۂ طئی مکانی کے تحت یہ قدرت حاصل تھی کہ وہ دربار برخاست ہونے سے پہلے 900 میل کی مسافت سے تختِ بلقیس لا کر حاضر کر دے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کو اِتنی تاخیر بھی گوارا نہ ہوئی۔ اس موقع پر آپ کا ایک صحابی ’آصف بن برخیا‘ جس کے پاس کتابُ اللہ کا علم تھا، خود کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ اِس اَنداز کو قرآنِ کریم نے اِس طرح بیان فرمایا:

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ أَنَا اٰتِيْکَ بِهٖ قَبْلَ أَنْ يَّرْتَدَّ إِلَيْکَ طَرْفُکَ ط فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔	(پھر) ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اُسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اِس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے۔ پھر جب سلیمان

(النمل، ۲۷:۴۰) (سلیمان علیہ السلام) نے اُس (تخت) کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا (تو) کہا یہ میرے رب کا فضل ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک برگزیدہ صحابی آنکھ جھپکنے سے پیشتر تختِ بلقیس اپنے نبی کے قدموں میں حاضر کر دیتا ہے۔ یہ طیِ مکانی کی ایک نا قابلِ تردِید قرآنی مثال تھی کہ فاصلے سمٹ گئے، جسے قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک اُمتی سے منسوب کیا ہے۔ **اگر اِس کرامت کا صدور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک اُمتی سے ہوسکتا ہے تو اِس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نبی آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے نفوسِ قدسیہ کے کمالات کی کیا حد ہوگی!** مردِ مومن کا اِشارہ پاتے ہی ہزاروں میل کی مسافت اُس کے ایک قدم میں سمٹ آتی ہے اور اُس کے قدم اُٹھانے سے پہلے شرق وغرب کے مقامات زیرِ پا آ جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ:

دو نیم اُن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ اُن کی ہیبت سے رائی

قرآنِ حکیم میں طیِ زمانی کا ذکر

قرآن ہر علم، حکمت اور دانائی کا سرچشمہ ہے جو کائنات کے رازہائے سربستہ کو ذہنِ اِنسانی پر مُنکشف کرتا ہے اور اُس میں شعور و آگہی کے اَن گِنت چراغ روشن کرتا ہے۔ طیِ زمانی کا ذِکر بھی ربِّ اَرض وسماوات کی آخری اِلہامی کتاب میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ اَصحابِ کہف اور حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعات طیِ زمانی کی خوبصورت مثالیں ہیں۔ اِن دونوں واقعات میں خرقِ عادت اور محیّر العقول

میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ یہ دونوں واقعات اِسی کرۂ ارضی پر وُقوع پذیر ہوئے اور طئ زمانی کے حصول کے لئے سماوِی کائنات (Outer Cosmos) میں روشنی کی رفتار سے سفر نہیں کیا گیا، مگر پھر بھی ظہورِ قدرتِ اِلٰہیہ کا نظارہ کیا عجب ہے کہ وقت تھم گیا اور مادّی اَجسام بھی محفوظ رہے اور صدیوں پر محیط عرصہ بھی بیت گیا۔

اَصحابِ کہف اور طئ زمانی

قرآنِ حکیم طئ ِزمانی کی مثال اصحابِ کہف کے حوالے سے یوں بیان کرتا ہے کہ تین سو نو سال تک وہ ایک غار میں لیٹے رہے اور جب سو کر اُٹھے تو اُنہیں یوں گمان ہوا گویا وہ محض ایک دن یا دن کا کچھ حصہ سوئے رہے ہیں۔ قرآنِ مجید اِس محیر العقول واقعہ کو اِن اَلفاظ میں بیان کرتا ہے:

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔

(الکھف، ۱۸:۱۹)

اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ’’تم (یہاں) کتنا عرصہ ٹھہرے ہو‘‘؟ اُنہوں نے کہا: ’’ہم (یہاں) ایک دن یا اُس کا (بھی) کچھ حصہ ٹھہرے ہیں‘‘۔

309 سال گزر جانے کے باوجود اُنہیں یوں محسوس ہوا کہ ایک دن بھی نہیں گزرنے پایا اور اُن کے اجسام پہلے کی طرح تر و تازہ اور توانا رہے۔ طئ زمانی کی یہ کتنی حیرت انگیز مثال ہے کہ مدتِ مدید تک اصحابِ کہف اور اُن کا کتا غار میں مقیم رہے اور مُرورِ ایام سے اُنہیں کوئی گزند نہ پہنچا۔ قرآنِ مجید کے اِس مقام کے سیاق و سباق کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو اصحابِ کہف کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے غار میں 309 سال تک آرام فرما رہے۔ کھانے پینے سے بالکل بے نیاز قبر کی سی حالت میں 309 سال تک اُن کے جسموں کو گردشِ لیل و نہار سے پیدا ہونے والے

اَثرات سے کلیتاً محفوظ رکھا گیا۔ سورج رحمتِ خداوندی کے خصوصی مظہر کے طور پر اُن کی خاطر اپنا راستہ بدلتا رہا تاکہ اُن کے جسم موسمی تغیرات سے محفوظ و مامون اور صحیح و سالم رہیں۔ 309 قمری سال 300 شمسی سالوں کے مساوِی ہوتے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ کرۂ ارضی کے 300 سالوں کے شمسی موسم اُن پر گزر گئے مگر اُن کے اَجسام تر و تازہ رہے۔ تین صدیوں پر محیط زمانہ اُن پر اِنتہائی تیز رفتاری کے ساتھ گزر گیا اور وہ بیدار ہونے پر صدیوں پر محیط اُس مدت کو محض ایک آدھ دِن خیال کرتے رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نشانی اور **قدرتِ الٰہیہ** کا ظہور تھا جس سے **عادتِ الٰہیہ** کے پیمانے سمٹ گئے۔ قرآنِ مجید فرماتا ہے:

وَ تَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ إِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِنْهُ ط

(الکہف، ۱۸: ۱۷)

اور آپ دیکھتے ہیں جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اُن کے غار سے دائیں جانب ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہونے لگتا ہے تو اُن سے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ اُس کشادہ میدان میں (لیٹے) ہیں۔

اللہ کی وہ خاص نشانی جس کا ظہور اُس نے اصحابِ کہف کی کرامت کے طور پر کیا، یہ ہے کہ اُس نے اپنے مقربین کو ظالم بادشاہ کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے 309 قمری سال تک سورج کے طلوع و غروب کے اُصول تک بدل دیئے اور **ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ** کی رُو سے ایک معین نظامِ فلکیات کو سورج کے گرد زمین کی 300 مکمل گردشوں تک کے طویل عرصے کے لئے تبدیل کر دیا گیا اور فطری ضابطوں کو بدل کر رکھ دیا گیا۔

خدائے رحمٰن ورحیم نے اپنی خصوصی رحمت سے اصحابِ کہف کو تھپکی دے کر پُر کیف نیند سلا دیا اور اُن پر عجیب سرشاری کی کیفیت طاری کر دی۔ پھر اُنہیں ایک ایسے مشاہدۂ حق میں مگن کر دیا کہ صدیاں ساعتوں میں تبدیل ہوتی محسوس ہوئیں۔ جیسا کہ قیامت کا دِن بھی طیِ زمانی ہی کی ایک صورت میں برپا ہوگا، جس میں پچاس ہزار سال کا دِن اللہ کے نیک بندوں پر عصر کی چار رَکعتوں کی اَدائیگی جتنے وقت میں گزر جائے گا، جبکہ دیگر لوگوں پر وہ طویل دِن نا قابلِ بیان کرب واَذیت کا حامل ہوگا۔ مشاہدۂ حق کے اِستغراق میں وقت سمٹ جاتا ہے اور صدیاں لمحوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

ؔ مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جُدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

حضرت عُزیر علیہ السلام اور طیِّ زمانی

طیِ زمانی کی ایک اور مثال قرآن حکیم نے حضرت عزیر علیہ السلام کے قصے میں بیان کی ہے۔ انہوں نے حصولِ حق الیقین کے لئے اللہ تعالیٰ سے طیِّ زمانی کے بارے میں سوال کیا۔ اُن کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بطورِ مشاہدہ اُن پر ایک سو سال کے لئے موت طاری کر دی اور پھر بعد ازاں قدرتِ خداوندی ہی سے وہ زِندہ ہوئے۔ قرآن کہتا ہے:

فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ؟

(البقرہ،۲:۲۵۹)

سو (اپنی قدرت کا مشاہدہ کرانے کے لئے) اُسے سو برس تک مُردہ رکھا۔ پھر اُسے زندہ کیا۔ (بعدازاں) پوچھا: ”تو یہاں (مرنے کے بعد) کتنی دیر ٹھہرا رہا (ہے)“؟

ایک صدی تک موت کی آغوش میں سوتے رہنے کے بعد جب حضرت عُزیر علیہ السلام کو اللہ ربّ العزّت کی طرف سے نئی زِندگی عطا ہوئی، تو اُن سے یہ پوچھا گیا کہ کتنا عرصہ لیٹے رہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ۔	’’میں ایک دن یا ایک دن کا (بھی) کچھ حصہ ٹھہرا ہوں‘‘۔ فرمایا: ’’(نہیں) بلکہ تو سو برس پڑا رہا (ہے)‘‘۔

(البقرہ، ۲:۲۵۹)

حضرت عزیر علیہ السلام کو اصل صورتحال سے آگاہ کیا گیا کہ اُنہیں تو لیٹے ہوئے 100 سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اُن کے پاس کھانے کا جو سامان تھا وہ بھی جوں کا توں تر و تازہ رہا اور اُس میں کوئی عفونت پیدا نہ ہوئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی توجہ اس طرف دِلانے کے لئے اِرشاد ہوا:

فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ۔	پس اب تو اپنے کھانے اور پینے (کی چیزوں) کو دیکھ (وہ) متغیر (باسی) بھی نہیں ہوئیں۔

(البقرہ، ۲:۲۵۹)

قدرتِ خداوندی ہے کہ ایک طرف تو حضرت عزیر علیہ السلام کے طعام اور مشروب میں عفونت اور سرانڈ تک پیدا نہ ہوئی اور وہ جوں کے توں تر و تازہ رہے جبکہ دُوسری طرف اللہ کے پیغمبر کے گدھے کی ہڈیاں بھی گل سڑ کر پیوندِ خاک ہوگئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے سامنے اُس گدھے کی ہڈیاں اکٹھی ہوئیں اور وہ زِندہ سلامت کھڑا ہوگیا۔

جدید ترین سائنسی تحقیقات بھی طیِ زمانی کی تصدیق کر رہی ہیں اور اِس کوشش میں ہیں کہ کسی لاعلاج مریض پر مصنوعی موت طاری کر کے اُسے طویل مدّت تک سرد خانے میں محفوظ رکھا جائے اور جب اُس کے مرض کا علاج دریافت ہو جائے تو

اُس کے جسم میں دوبارہ سے زِندگی کی لہر دوڑا کر اُس مریض کا علاج کیا جائے اور ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد اُسے ایک بار پھر روزمرّہ کے معمولات کی ادائیگی کے قابل بنا دیا جائے۔ عین ممکن ہے کہ اُس وقت تک اُس کی اپنی اولاد میں سے کئی نسلیں موت سے ہمکنار ہو چکی ہوں۔ اِنسان کا یہ خواب اَب خواب نہیں رہے گا۔

جدید سائنس اپنے اِرتقاء کے ساتھ ساتھ قرآنِ مجید میں درج سائنسی حقائق کی توثیق کرتی چلی جا رہی ہے۔ مغرب کے سائنسدان اپنے تمام تر تعصّبات کے باوجود قرآن کو اِلہامی کتاب تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ آج نہیں تو کل عقلی بنیادوں پر تشکیل پانے والا ذہن جدید تعلیماتِ اِسلامی کی سچائیوں کے اِعتراف میں پیش پیش ہوگا، اِس لئے آنے والی ہر صدی اِسلام کی صدی ہے۔ مغربی دُنیا کے پاس اِسلامی تعلیمات کی حقّانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اِس کے دامنِ رحمت میں پناہ ڈھونڈنے کے سِوا کوئی چارہ نہ ہوگا اور مصطفوی اِنقلاب کا سورج مغرب کے اُفق پر بھی اپنی تمام تر تخلیقی توانائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگا۔ زمین پر اُترنے والا ہر لمحہ اللہ کی توحید اور حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دے رہا ہے۔

قرآنِ مجید میں مذکور حضرت عزیر علیہ السلام کی اِس مثال میں طیِ زمانی کا کیا منظر تھا کہ 100 سال کا عرصہ گزر گیا اور اس کے باوجود اُن کے مادّی جسم کو کوئی گزند نہ پہنچا اور وہ موسموں کے تغیر و تبدّل سے پیدا ہونے والے اَثرات سے محفوظ رہا۔ وقت اُن کے کھانے پینے کی اشیاء پر بھی اِس طرح سمٹ گیا کہ اُن کی تر و تازگی میں بھی کوئی فرق نہ آیا، لیکن وُہی ایک صدی اللہ کے نبی کے گدھے پر اِس طرح گزری کہ اُس کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ حتیٰ کہ اُس کی ہڈیاں تک بکھر گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اِحیائے موتیٰ کا نظّارہ کرانے کے لئے اُن کے گدھے پر تجلّی کی تو 100 سالہ مُردہ گدھے کی ہڈیاں اِکٹھی ہوئیں، اُن پر گوشت پوست چڑھ گیا اور دیکھتے ہی

دیکھتے وہ زِندہ ہوکر کھڑا ہوگیا۔ قادرِ مطلق نے چشمِ زدن میں حضرت عزیر علیہ السلام کو طئ زمانی اور اِحیائے موتیٰ کے منظر دِکھلا دیئے۔

معراجِ مصطفیٰ ﷺ اور طئ زمانی و مکانی

خدا کی ذات اگر بنی اِسرائیل کے ایک پیغمبر کو اپنی **قدرتِ خاص** کے کرِشمے دِکھا سکتی ہے تو اپنے حبیب نبئ آخرالزّماں ﷺ کی خاطر اِس سے بڑھ کر معجزے کیوں برپا نہیں کرسکتی؟ اِس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں کہ شبِ معراج صاحبِ لولاک فخرِ موجودات حضور رحمتِ عالم ﷺ کو زمان و مکاں (Time & Space) کی مسافتیں طے کروانے کے بعد خدائے لم یزل نے اپنے قرب و وصال کی بے پایاں نعمتیں عطا فرما دیں۔ مقامِ قَابَ قَوْسَیْن پر اپنی ہمکلامی اور بے حجاب دِیدار کا شرف اِس طرح اَرزانی فرمایا کہ ایک طرف خدا اپنے حبیب ﷺ کا سمیع و بصیر تھا تو دوسری طرف حبیب ﷺ اپنے خدا کا سمیع و بصیر تھا، اور دونوں کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ تھا۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ   كَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ   صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

شبِ معراج تاجدارِ کائنات رسولِ کون و مکاں حضرت محمد ﷺ کو کیا کیا مقامات عطا ہوئے! اُنہیں عظمت و رِفعت کی کن بلندیوں سے ہمکنار کیا گیا! اِرتقائے نسلِ اِنسانی کو تسخیرِ کائنات کے مقفّل دروازوں پر دستک دینے کی کس طرح ترغیب دی گئی! اُس شب کتنی مسافتیں طے ہوئیں اور کتنے زمانے بیت گئے! اِس کا حال اللہ ربّ العزّت اور اُس کے حبیب ﷺ کے سِوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان ہی سکتا ہے۔ ہم غلامانِ پیغمبر ﷺ تو بس اِتنا جانتے ہیں کہ ہمارے حضور ﷺ کی خاطر پوری خدائی کی

طنابیں کھینچ لی گئیں۔ چرخِ نیلوفری دَم بخود تھا کہ یہ کون مہمانِ مکرم لامکاں کی سیر کو نکلا ہے۔ ستارے حیرت کی تصویر بنے رہگزرِ مصطفیٰ ﷺ کی گرد کو اپنے ماتھے کا جھومر بنا رہے تھے۔ وقت کی نبضیں ایک جگہ تھمی کی تھمی رہ گئیں اور کائنات بے حس و حرکت اور ساکت اپنے رُوحِ رواں کے اِنتظار میں ایک نقطے پر ٹھہری رہی۔ حضور ﷺ کے زمانۂ نبوت میں عقلِ اِنسانی نے کرۂ ارضی پر محیط فضا کے غلاف کو عبور کرتے ہوئے چاند پر پہنچ کر معجزۂ معراجِ مصطفوی ﷺ کے اِمکان کی نشاندہی تو کر دی لیکن اُس منزل تک پہنچنا معجزہ ہے اور سیارگانِ فلکی تک پہنچنا اُس منزل کی تائید اور سفرِ معراج کی توثیق ہے، فرمانِ مصطفیٰ ﷺ کی تصدیق ہے اور یہ تائید و توثیق فقط نشاندہی کی حد تک ہے کیونکہ اگر عقلِ اِنسانی بھی منزلِ مصطفوی ﷺ تک پہنچ جائے تو پھر نبوت کا معجزہ ہی باقی نہ رہے۔ اِس لئے اِنسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جتنی بھی ترقی کر لے آسمان کی حدود کو پھلانگ کر اور مکاں کی حدوں کو چھوڑ کر کبھی وہ لامکاں کی بلندیوں میں داخل نہیں ہوسکتا۔ سفرِ معراج کے نقوشِ پا کو چومنا تو اُس کا مقدّر بن سکتا ہے لیکن منزلِ مصطفیٰ ﷺ تک رسائی روزِ قیامت تک اُس کے لئے ممکن نہ ہو سکے گی۔ علامہ محمد اِقبالؒ نے فرمایا:

تو معنیٔ ''وَالنَّجْم'' نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مدّ و جزر ابھی چاند کا محتاج